مروجہ اصنافِ سخن پر مشتمل ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کو نظم و غزل اور رباعی وغیرہ سب پر یکساں قدرت حاصل ہے، آجکل کے نئے شاعروں کے مقابلہ میں ان کا کلام فنی خامیوں اور غیر متوازن خیالات سے بڑی حد تک پاک اور زبان و بیان کے لحاظ سے شستہ اور دلآویز ہے، جس طرح آزادی سے پہلے انھیں ملک کی غلامی کا غم تھا، اسی طرح آزادی کے بعد ملک کی تباہی اور فرقہ پرستی کا ملال ہے، اس مجموعہ کے شروع کی غزلیں اور نظمیں اسی تاثر کے ماتحت لکھی گئی ہیں، اور وہ سوز و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں، یہ مجموعہ ظاہری اور معنوی دونوں خوبیوں سے پوری طرح آراستہ ہے، امید ہے کہ اہل ذوق اس سے لطف اندوز ہوں گے۔

مجاز و حقیقت - از جناب پروفیسر نکہت شاہجہاں پوری، چھوٹی تقطیع، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۷۲ مجلد مع رنگین گردپوش، قیمت ۲ / ۸ پتہ: رائے صاحب لال رام دیال اگروال، کٹرہ، الہ آباد - ۲

جناب نکہت شاہجہانپوری قادر الکلام اور کہنہ مشق شاعر بھی ہیں اور مشاق اہل قلم بھی، فارسی شاعری کا بھی اچھا مذاق رکھتے ہیں، ان کی نظم و نثر کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں، مجاز و حقیقت ان کے کلام کا نیا مجموعہ ہے، اس میں بڑا تنوع اور رنگارنگی ہے، ان کی شاعری محض غزل سرائی تک محدود نہیں بلکہ وہ بلند پایہ نظمیں بھی کہتے ہیں، اور اس مجموعہ میں نظموں ہی کا حصہ زیادہ ہے، ان میں انھوں نے بڑی خوبی کے ساتھ دقیق فلسفیانہ مسائل بیان کیے ہیں، غزلیں نظموں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں لیکن ان میں بھی تغزل کی ساری خصوصیات موجود ہیں، "بزم رومان" کی بعض نظمیں البتہ مذاق سلیم پر گراں گذرتی ہیں، تعجب ہے کہ نکہت صاحب جیسے سنجیدہ مذاق شاعر نے انکو کس طرح گوارا کیا، مگر مجموعی حیثیت سے کلام زبان و بیان کی خوبی اور فکر و خیال کی بلندی کے لحاظ سے ارباب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

"ض"

جلد ۸۵ ماہ شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۶۰ء نمبر ۲

فہرست مضامین

شذرات

گذشتہ دسمبر اور جنوری میں دو اہم علمی اجتماع ہوئے، افسوس ہے کہ راقم کو بعض موانع کی بنا پر ان دونوں میں شرکت کا موقع نہ مل سکا، شاید ان کے تذکرے سے اس کی کچھ تلافی ہو جائے، ان میں ایک اجتماع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد کی ستر سالہ جوبلی کا تھا، یہ ادارہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام کے اہم علمی اداروں میں ہے، اس نے اسلامی علوم و فنون کی بڑی قیمتی خدمات انجام دی ہیں، اور اب تک قدیم عربی مصنفین کی کئی سو اہم اور نادر تصانیف بڑے اہتمام سے شائع کر چکا ہے، مصر و شام کے بھی چند ہی ادارے اس کام میں اس کی ہمسری کر سکتے ہیں، جس کا اعتراف خود ان ملکوں کو بھی ہے۔ یہ شکریہ کا مقام ہے کہ یہ ادارہ ریاست حیدر آباد کے خاتمہ کے اثرات سے محفوظ رہا اور اپنے لائق ناظم ڈاکٹر نظام الدین صاحب کی نگرانی میں بدستور اپنی خدمات میں مصروف ہے۔

گذشتہ مہینہ ۲۵ تا ۲۹ جنوری کو اسکی ستر سالہ جوبلی منائی گئی تھی، اس تقریب میں ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند کے فضلا کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، اس میں اسلامیات پر مقالہ خوانی کے علاوہ دو علمی مذاکرے بھی رکھے گئے تھے (۱) علوم مشرقیہ کی احتیاجات بالخصوص عربی و فارسی میں جدید تحقیقات کی ضرورت (۲) مشرقی علوم حکمیہ موجودہ سائنسی ترقی کے پیش نظر ان کی جدید تحقیقات کی ضرورت، عربی و فارسی کے نادر مخطوطات کی نمائش بھی تھی، اس تقریب کی تفصیلی روداد ہماری نظر سے نہیں گذری، لیکن جس اہتمام سے منائی گئی ہے اس سے یقین ہے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی ہوگی، آج اس ادارہ کی ہندوستان میں پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے اور ہم کو یقین ہے کہ ڈاکٹر نظام الدین صاحب جیسے صاحب علم کی نگرانی میں یہ ادارہ اور زیادہ ترقی کرے گا۔

دوسرا جلسہ آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس ..... مسلم یونیورسٹی کا تھا جو ۲۶، ۲۷ کو ڈاکٹر زبیر صاحب صدیقی کی صدارت میں علی گڑھ میں ہوا تھا، اسکی روداد آگئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجتماع بہت کامیاب رہا، ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور علمی و دینی اداروں کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی اور اسلامی علوم و فنون کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پڑھے، دارالمصنفین کی جانب سے سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب شرکت کرنے والے تھے مگر عین وقت پر بیمار پڑ گئے اس لیے نہ جا سکے، مگر اپنا مقالہ انھوں نے بھیج دیا تھا جس سے دارالمصنفین کی علمی شرکت ہو گئی، ان کا مقالہ "ہندوستان کے فارسی لٹریچر میں ہندوؤں کے علوم و مذہب کا مطالعہ" تھا،

ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے جس میں اسلامیات کے ماہرین جمع ہو کر اپنی تحقیقات کے نتائج پیش کر سکیں، اس ادارہ سے یہ کمی پوری ہو گئی اور وہ آئندہ چل کر ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کا نعم البدل ہو سکتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اسلامیات سے ذوق رکھنے والے اہل علم اس سے پوری دلچسپی لیں، اس ادارہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اسکے ذریعہ عربی کے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور ان کے خیالات کو سمجھنے کا موقع ملے گا اور ان میں جو بعد ہے وہ دور ہو جائیگا جس کی نہ صرف علمی بلکہ دینی نقطۂ نظر سے بھی ضرورت ہے دینی و تعلیمی اداروں کو اس لیے بھی اس میں شرکت کرنی چاہیے کہ ان کے نقطۂ نظر سے اس میں جو کمی ہو وہ پوری ہو سکے، اب حال ہی میں اس کا دستور بنا ہے اور ہمارے پاس بھی اظہار رائے کے لیے آیا ہے اس میں وہ تمام مقاصد شامل ہیں جو اسلامک اسٹڈیز کے ہونے چاہئیں۔

سرکاری تعلیم گاہوں میں مذہبی تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے حکومت ہند نے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس کی رپورٹ شائع ہو گئی ہے، کمیٹی نے مذہبی، اخلاقی اور روحانی تعلیم کے انتظام کی پرزور سفارش کی ہے، اس ضرورت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا، لیکن سرکاری مذہبی تعلیم میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں ہیں، ان کو حل کیے بغیر یہ تجویز مذہبی فرقوں کیلئے قابل قبول نہ ہوگی اور اس سے اور زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں مذہب، اخلاق اور روحانیت تینوں الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اس میں شبہہ نہیں کہ مذہب ان سب کا جامع ہے لیکن مذہب صرف ان ہی چیزوں کا نام نہیں بلکہ

اس کے اور عقائد و تصورات بھی ہیں جو مختلف مذاہب کے مختلف بلکہ بعض متضاد ہیں، اسلام میں رُوحانیت مذہب سے علیٰحدہ کوئی چیز نہیں، بلکہ مذہب ہی کی رُوح پر عمل اور اسکے نتائج کا نام ہے، اسلیے اسلام اور دوسرے مذاہب کے تصورِ رُوحانیت میں بڑا فرق ہے، گو اس کے بہت سے پہلو مختلف مذاہب میں مشترک ہیں لیکن بعض مختلف بھی ہیں، البتہ اخلاقیات کا حصہ سب مذاہب میں قریب قریب یکساں ہے،

اس لیے سوال یہ ہے کہ ہر فرقہ کی مذہبی تعلیم اور اس کا نصاب الگ الگ ہوگا، یا دونوں چیزیں مشترک ہونگی اگر الگ الگ ہوگا تو اس میں کسی فرقہ کو اعتراض نہیں ہو سکتا، لیکن یہ ضروری ہے کہ نصاب بنانے اور اس کے پڑھانے والے ہر فرقہ کے مستند علما ہوں، کوئی شخص خواہ کتنا ہی لائق اور وسیع القلب ہو کسی دوسرے مذہب کا نہ نصاب بنا سکتا ہے اور نہ اسکو پڑھا سکتا ہے اور اگر تعلیم اور اس کا نصاب مشترک ہوگا تو خالص مذہبی تعلیم میں اسکی قطعاً گنجایش نہیں، مذہبی تعلیم کا ایسا مشترک نصاب بنانا جس سے تمام فرقوں کو اتفاق ہو قریب قریب ناممکن ہے، اور اگر اسکی کوشش کیگئی تو ایسا مشترک نصاب وحدتِ ادیان پر مشتمل ہوگا جس میں نصاب بنانے والے کے مذہبی عقائد و تصورات غالب ہونگے جسکو کوئی مذہبی فرقہ گوارا نہیں کر سکتا، اسلیے یا تو ہر فرقہ کے منشا کے مطابق اسکی مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے یا مذہبی تعلیم لازمی نہ رکھی جائے بلکہ اس کو پڑھنے والوں کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے، مذہبی تعلیم کا مسئلہ ایسا نازک ہے کہ نہ اسکو نظرانداز کیا جا سکتا ہے اور نہ حکومت کی صوابدید پر چھوڑا جا سکتا ہے بلکہ مختلف فرقوں اور حکومت کے نقطۂ نظر میں اتحاد و اتفاق ہی سے حل ہو سکتا ہے۔

ہمارے فاضل دوست مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کے مدرسہ عالیہ کلکتہ سے مسلم یونیورسٹی چلے آنے کے بعد مسعود حسن صاحب ایم اے ان کے جانشین ہوئے ہیں، انھوں نے عربی کی قدیم تعلیم بھی پائی ہے اور اس سے پہلے وہ پٹنہ یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج کلکتہ میں عربی کے لکچرار رہ چکے ہیں، اس لیے ان کو جدید و قدیم دونوں تعلیموں کا تجربہ ہے، اردو اور انگریزی کے اچھے مضمون نگار بھی ہیں، اس لیے یقین ہے کہ وہ اپنے پیشرو کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے اور ان کے دور میں مدرسہ عالیہ کی روایات و خصوصیات برقرار رہیں گی۔

مقالات

مکاتیب مرزا مظہر جان جاناںؒ

از

جناب عبدالرزاق صاحب قریشی

خط لکھنے کا رواج ہر ملک اور ہر قوم میں رہا ہے لیکن مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اسے خاص اہمیت حاصل ہوئی، ان کے عہد میں سلاطین و وزراء، علماء و صلحاء، حکماء و ادبا سبھی کے خطوط جمع و مرتب ہو کر شائع ہوئے، یہ خطوط حسنِ انشا کے علاوہ علمی، مذہبی، تاریخی، فلسفیانہ مباحث کے حامل ہوتے تھے، اور ان سے مکتوب نگار کی شخصیت کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی تھی، اس لیے اس عہد کے لوگوں کے علاوہ آنے والی نسلیں بھی ان سے مستفیض ہوئیں، اور اس استفادہ کا سلسلہ آجتک جاری ہے،

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مکاتیب بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہیں،

مرزا صاحب کے مطبوعہ مکاتیب کی تعداد ۱۰۰ ہے، اور پیش نظر نسخہ (کلمات طیبات) ۱۳۰۹ھ کا چھپا ہوا ہے، یہ نسخہ مولوی حافظ محمد فضل الرحمٰن صاحب کی "تصحیح" اور مولوی حافظ محمد عبد اللہ کے "حسن اہتمام" سے مجتبائی پریس دہلی میں چھپا تھا، اس مجموعہ میں مرزا صاحب کے خطوط کے علاوہ حسبِ ذیل بزرگانِ دین کے بھی مکاتیب ہیں،

(۱) حضرت غوث الثقلینؒ (۲) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۳) حضرت مولانا شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی (۴) حضرت شاہ غلام علیؒ۔

ان بزرگوں کے مکاتیب کے علاوہ اس مجموعہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ایک رسالہ کا فارسی ترجمہ بھی ہے،

مرزا صاحب کے اکثر و بیشتر مکاتیب ان کے مریدوں کے نام ہیں، مثلاً قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولوی ثناء اللہ سنبھلی، مولوی نعیم اللہ بہرائچی، میر سلمان، بلبن خاں وغیرہ کے نام، ایک خط حکیم شریف احمد خاں اور ایک خط حکیم محمد فاروق کے نام ہے، ان خطوط کی جمع و ترتیب خود مرزا صاحب کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی، چنانچہ مرزا صاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

"ایں بی سواد دبستان تحقیق استعداد تصنیف کتاب ندارد، بعض مسائل شریعت و طریقت بطریق جواب کہ احباب سوال کردہ اند بطور مکاتیب مرقوم شدہ عزیزان آنہا را فراہم آوردہ اند بعض اجزای آں متعاقب مرسل می شود"[1]

ان خطوط کی بڑی تعداد مذہبی اور صوفیانہ نکات و مسائل سے متعلق ہے، ان سے ایک طرف مرزا صاحب کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، تو دوسری طرف ان کے صوفیانہ تصورات و اعتقادات کا علم ہوتا ہے، مثلاً ایک خط میں (مکتوب بست و سوم) مسئلہ وحدت وجود کو حل کیا ہے، دوسرے میں (مکتوب پانزدہم) رفع سبابہ پر روشنی ڈالی ہے، ایک مکتوب میں (مکتوب سوم) "لفظ نسبت در اصطلاح صوفیہ" کے معنی بتائے ہیں، تو دوسرے میں (مکتوب یازدہم) ذکر جہر و خفی کا مفہوم سمجھایا ہے، ایک مکتوب میں (مکتوب سیزدہم) مسئلہ جبر و اختیار کی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے، تو دوسرے میں (مکتوب چہارم) علم حضوری و حصولی کا فرق بتایا ہے۔ ایک خط میں (مکتوب ہشتم) حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رنجش کا سبب بتایا ہے تو دوسرے میں (مکتوب ہفتم)

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب چہل و سوم ص ۴۹

"عقیدۂ اہل سنت و جماعت در حق معاویہ بن ابی سفیان" کی وضاحت کی ہے۔ ایک مکتوب میں (مکتوب بست و یکم) التزام اتباع سنت کا بیان ہے تو دوسرے میں (مکتوب سی و دوم) ہدایت التزام شریعت ہے۔

اس مجموعہ کا تقریباً ہر خط اپنی جگہ پر اہم ہے، کیونکہ یہ منتخب خطوط ہیں، لیکن ان میں مندرجہ ذیل مکاتیب خصوصاً بہت اہم ہیں،

مکتوب اول (در بیان حسب و نسب شریف) مکتوب سوم (در بیان معنی لفظ نسبت باصطلاح صوفیہ)، مکتوب چہارم (در بیان علم حضوری و حصولی)، مکتوب ششم (در جواب شبہاتی کہ بر مقالات حضرت مجدد می کنند)، مکتوب دوازدہم (در بیان مسئلہ سماع) مکتوب سیزدہم (در مسئلہ جبر و اختیار) مکتوب چہاردہم (در بیان آئین کفار ہند) مکتوب بست و یکم (در بیان التزام اتباع سنت سنیہ و تحصیل مرتبہ حضور و جمعیت و آگاہی) مکتوب بست و سوم (در مسئلہ وحدت وجود)

بعض مکتوبات علمی و اعتقادی حیثیت سے خاصے دلچسپ ہیں، ان سے مرزا صاحب کے فضل و کمال علمی کے علاوہ ان کے نقطۂ نگاہ اور وسعت مشرب کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس سلسلہ کا سب سے دلچسپ اور اہم خط مکتوب چہاردہم ہے، جس میں انھوں نے "ہندوؤں" کے آئین و اعتقاد پر روشنی ڈالی ہے، مثلاً ان کے اصول عقائد اور فروع اعمال کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ

"آنچہ از کتب قدیمہ اہل ہند معلوم می شود اینست کہ رحمت الٰہیہ در وقت آغاز پیدائش نوع انسانی برای اصلاح معاش و معاد کتابی مسمی بہ بید کہ چہار دفتر و مشتمل بر احکام امر و نہی و اخبار ماضی و مستقبل بتوسط ملکی برہما نام کہ آلۂ جارحۂ ایجاد عالم است فرستادہ مجتہدان اینہا از آن کتاب شش مذاہب استخراج نمودہ بنای اصول عقائد بر آں گذاشتہ، ایں فن را شاستر نامیدہ اند یعنی فن ایمانیات کہ علم کلام باشد و افراد نوع انسانی را چہار فرقہ مقرر نمودہ و چہار مسلک از آں کتاب بر آوردہ برای ہر فرقہ مسلکی قرار دادہ بنای فروع

اعمال را برآں نہادہ۔ ایں فن را کرم شاستر خواندہ اند یعنی فن عملیات کہ علم فقہ باشد[1]"

مرزا صاحب ہندوؤں کو مشرک نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی رائے میں تمام ہندو فرقے توحید کے قائل ہیں، عالم کو حادث اور مخلوق خداوندی مانتے اور حشر و نشر پر ایمان رکھتے ہیں[2]، ان کی بت پرستی کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ

"رسم بت پرستی اینہا (کفار ہند) نہ از راہ اشراک در الوہیت است، بلکہ حقیقت دیگر دارد[3]"۔

آگے چل کر وہ اس "حقیقتِ دیگر" کی وضاحت کرتے ہیں:

"حقیقت بت پرستی اینہا آنست کہ بعض ملائکہ کہ بامر الٰہی در عالم کون و فساد تصرفی دارند یا بعض ارواح کاملان کہ بعد ترک اجساد آنہا را درین نشاء تصرفی باقیست یا بعض افراد احیا کہ بزعم اینہا مثل حضرت خضر علیہ السلام زندۂ جاوید اند صور آنہا ساختہ متوجہ بآں می شوند و بسبب ایں توجہ بعد مدتی مناسبتی بصاحب آں صورت بہم می رسانند و بنا بر آں مناسبت حوائج معاشی و معادی خود را ادا می سازند و ایں عمل مشابہتی بذکر رابطہ دارد کہ معمولِ صوفیۂ اسلامیہ است کہ صورت پیر را تصور می کنند و فیضہا بر می دارند، ایں قدر فرق است کہ در ظاہر صورت شیخ نمی تراشند[4]"

ان کی رائے میں ہندوؤں اور کفار عرب میں بین فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ

"آنہا (کفار عرب) بتاں را متصرف و موثر بالذات می گفتند نہ آلۂ تصرف الٰہی و اینہا را خدای زمین می دانند و خدای تعالیٰ را خدای آسمان و ایں شرک است در الوہیت و سجدۂ اینہا (ہندو) سجدۂ تحیت است نہ سجدۂ عبودیت[5]"

---

1. کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب چہاردہم ص ۲۷ 2. ایضاً مکتوب چہاردہم ص ۲۶ 3. ایضاً چہاردہم ص ۲۶
4. ایضاً مکتوب چہاردہم ص ۲۷ 5. ایضاً مکتوب چہاردہم ص ۲۷

وہ ہندو دھرم کو دین منسوخ مانتے ہیں:

"قواعد و ضوابط دین اینہا (کفار ہند) نظم و نسق تمام دارد، پس معلوم شد کہ دین مرتبی بودہ است و منسوخ شدہ[1]"

اسی طرح ان کا خیال ہے کہ

"بحکم آیۂ کریمہ و ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر و آیۂ کریمہ ولکل امۃ رسول و آیات دیگر در ممالک ہند نیز بعثت انبیا و رسل واقع شدہ است و احوال آنہا در کتب اینہا مضبوط است و از آثار آنہا کہ باقی است ظاہر می شود کہ مرتبۂ کمال و تکمیل داشتہ اند و رحمت عامہ رعایت مصالح عباد را درین مملکتِ وسیع فرو نگذاشتہ[2]"۔

ان کی یہ بھی رائے ہے کہ "اعتقاد تناسخ مستلزم کفر نیست[3]"۔

مرزا صاحب خرق عادات کو "منظورِ عوام" کہتے ہیں اور "باجماعِ صوفیہ" اسے نہ شرائط ولایت[4] میں داخل سمجھتے ہیں اور نہ اس کے لوازم میں، اس کی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ

"صحابۂ کرام کہ افضل از جمیع افراد امت مرحومہ اند کم تر مصدر ایں امور گشتہ[5]"

لیکن وہ خرق عادات کو ناممکن بھی نہیں سمجھتے، چنانچہ کہتے ہیں کہ

"ہیچ کمالی غیر از نبوت بالاصالۃ ختم نگردیدہ و در مبداء فیاض بخل و دریغ ممکن نیست[6]"

مگر کرامت پر استقامت کو ترجیح دیتے ہیں:

"مراد از ظہور آثار کمال اگر استقامت است کہ فوق کرامت است ......[7]"

انھوں نے صوفیٔ کامل کی بھی نہایت عمدہ و جامع تعریف کی ہے۔

---

1. کلمات طیبات، مکتوب مرزا صاحب، مکتوب چہاردہم ص ۲۶ 2. ایضاً 3. ایضاً ص ۲۷ 4. ایضاً مکتوب دوم ص ۱۳
5. ایضاً 6. ایضاً 7. ایضاً

"صوفی کامل خیر و کمال را اصلاً بخود نمی نماید و مستعار می داند"[1]

کیونکہ

"نظر صوفی بر مظاہر شریفہ و خسیسہ بجہت وجود کہ در آں مظاہر است و مصدر خیر شدہ است می افتد و چوں در خود نظر می کند نگاہ او بر جہت عدم کہ ذاتی اوست و منشاء شر است خواہد افتاد و خود را از خیر و کمال مطلقاً عاری خواہد دید و خیر و کمال عاریتی را کہ از جہت وجود کسب کردہ از آں خود نخواہد یافت"[2]

مسئلۂ سماع صوفیہ و سالکین کا بڑا محبوب و دلچسپ موضوع ہے، مرزا صاحب کے کسی مرید یا معتقد نے اس مسئلہ کو بھی چھیڑا تھا، انھوں نے اس کا جواب کسی قدر تفصیل سے دیا ہے، لکھتے ہیں:

"در مسئلۂ سماع درمیان ائمۂ فقہا و حضرات صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اختلاف قوی است۔ فرقۂ اولیٰ می گویند کہ سماع مطلقاً حرام است ..... فرقۂ ثانیہ می فرمایند کہ باطلاق حلال است"[3]

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سماع کی دو قسمیں ہیں اور پھر ان دو قسموں کی تعریف و وضاحت کرتے ہیں:

"سماع بر دو قسم است۔ یکے آنکہ شخصی کہ محل فتنہ نباشد کلامی موزوں بالحنے موزوں بی مداخلت محذور شرعی انشاد نماید و فسادی از آں در باطن مستمعین نزاید بلکہ سروری یا حزنی در قلب پدید آید۔ ایں قسم سماع البتہ مباح است کہ مرکب از دو امر مباح کہ کلام موزوں و نشید موزوں باشد ..... قسم دوم آنست کہ غالیان متاخرین رواج دادہ اند و آنرا بجد گرفتہ و امور غیر مشروعہ را در آں خلط نمودہ اند۔ ایں قسم بقدر مداخلت امور غیر مباح از کراہت بحرمت خواہد رسید و اینکہ جماعتی از ارباب کمال رغبت بسماعِ مباح نیز ندارند

۱ کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب نہم ص ۲۱ ۲ ایضاً ۳ ایضاً مکتوب دوازدہم ص ۲۳

از خصوصیات ذوقی است نہ از احکام شرعی"[1]

اس سلسلہ میں یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس بارہ میں خود مرزا صاحب کا طرز عمل کیا تھا، مسئلۂ سماع کے متعلق سب کچھ کہہ لینے کے بعد فرماتے ہیں کہ

"فقیر از سماع غیر مباح تائب و سماع مباح را تارک است و در عقیدۂ اباحت و عدم اباحت آں تابع کتاب و سنت است"[2]

مسئلۂ جبر و اختیار علما و حکما کا بڑا اہم موضوع بحث رہا ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ علما نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے، لیکن ابھی اولاد آدم کی تشویش خاطر باقی ہے، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ

"عقل در ادراک بعض مقدمات دینی کافی نیست"[3]

اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ

"وگرنہ در اصلاح امور عباد حاجت بنزول وحی نمی افتاد"[4]

اس کے بعد وہ جبر و اختیار کا مفہوم سمجھاتے ہیں:

"باید دانست کہ ادعای اختیار مستقل و جبر محض ہر دو مستلزم انکار کتاب و سنت است زیرا کہ اعمال عباد مثل اعیانِ ایشاں بحکم نص جلی مخلوق اوست سبحانہ و تعالےٰ۔ پس اختیار تام کجا؟ و نیز مواخذہ از مجبور صرف ظلم است و ظلم بحکم شرع مسلوب است از جناب او تعالیٰ شانہ۔ پس جبر محض چرا؟ بدیہی است کہ افعالِ ما مثل حرکات مرتعش نیست بلکہ مسبوق بعلم و ارادہ و قدرت است و ہمینست حصۂ اختیار و معنی فعل اختیاری لیکن ظہور ایں ہر سہ قوت باختیار ما نیست۔ ہرگاہ می خواہند از مبدا افاضہ می کنند و ہمینست

۱ کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب دوازدہم ص ۲۴ ۲ ایضاً ۳ ایضاً مکتوب سیزدہم ص ۲۵ ۴ ایضاً

حصۂ جبر و معنی فعل اضطراری و چوں اختیار تام و جبر محض متحقق نشد پس امریست متوسط ....
امر متوسط بلسان شرع معبر است بلفظ کسب و ایں لفظ را جز بر فعل عباد اطلاق نمی کنند.
پس معلوم شد کہ افعال ما مخلوط جبر و اختیار است۔"[1]

مسئلۂ جبر و اختیار کے متعلق مرزا صاحب کا یہ ارشاد علمی نقطۂ نگاہ سے تھا، آگے چل کر وہ اس مسئلہ پر صوفیانہ نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالتے ہیں، فرماتے ہیں کہ

"بر طور صوفیہ ثبوت حصۂ اختیار بدیں وجہ می تواں کرد کہ نزد ایشاں ظہور حضرت وجود در ہر ذرہ از ذرات کائنات بتمامہ است ...... و چوں اختیار نیز صفتی و شانی است از صفات و شیونات حضرت وجود پس باید کہ در ہر مظہری از مظاہر خصوصاً در انسان کہ مشرف است بمنصب خلافت حصہ از صفات اختیار ہم متحقق باشد بنای تکلیف امر و نہی بر آں بود۔"[2]

متصوفانہ اور علمی و مذہبی مباحث کے علاوہ مکاتیب کے ذریعہ مرزا صاحب نے ارشاد و ہدایت کے فرائض بھی انجام دیے ہیں، مختلف اوقات میں مختلف مریدوں کو ہدایتیں کی ہیں، مشورے دیے ہیں، تنبیہیں کی ہیں، مثلاً ایک مکتوب میں مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو لکھتے ہیں کہ

"شما در آنجا رفتہ جای فقیر گرم سازید کہ در آں ضلع عالمی فہمیدہ و درویشی صاحب نسبت نیست. بخاطر جمع بکار خود ساعی و سرگرم باید بود و تشویش را در باطن خود راہ نباید داد و اوقات در ایصال منافع دینی ظاہراً و باطناً مصروف دارید کہ او سبحانہ شما را دولتی دادہ است ...... در تعلیم طریقہ و درس کتب مقید باشید و ختم خواجہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم و ختم حضرت مجدد رضی اللہ عنہ ہر روز بعد حلقۂ صبح لازم گیرید بجناب او امیدوار و غیر از او نومید باشید۔"[3]

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا، مکتوب سیزدہم ص ۲۵ [2] ایضاً [3] ایضاً بست و ہشتم ص ۴۱

ایک اور مرید کو نصیحت کرتے ہیں کہ

"شما بالتزام شریعت و شغل طریقت مقید باشید و مردم بخاکساری بی نفسی معاملہ نمائید کہ کمال نفس و نیستی است و ہستی حق تعالیٰ را مسلم است و صحبت علما و فقرا لازم گیرید و برکروہات زمانہ صبر گزینید ...... اگر کسی رجوع بطریقہ نماید خدمت او باید کرد از او خدمتی نباید خواست ...... ہر جا باشید با خدا باشید و بر محبت پیران طریقت باشید۔"[1]

ایک مرید کو فقر و فقیر کا مفہوم سمجھاتے ہیں:

"گفتہ اند کہ در شریعت مرد وقتی بالغ شود کہ منی بطریق شہوت از او زائل شود و در طریقت وقتی بالغ شود کہ وی از منی برآید، فقیر در شریعت آنست کہ او را چیزی نبود و در طریقت فقیر کسی باشد کہ در باطن او یعنی در دل او غیر از خدای تعالیٰ ہیچ چیز نبود۔ ایں فقر است کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدو فخر کردہ است الفقر فخری۔"[2]

ایک مرید کو تنبیہ کرتے ہیں:

"فقیر در معاملہ معلوم کردم کہ والدۂ شما در باطن ناخوش اند۔ ناخوشی والدہ موجب خسارت دنیا و آخرت است، خصوصاً والدۂ مشفقہ۔ ایں معنی را استفسار نمودہ اگر اصلی داشتہ باشد کفارت و مکافات بعمل آرند۔ اللہ تعالیٰ عواقب امور شان مقروں بخیر گرداند۔"[3]

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

"تا رسیدن فقیر یاران طریقت کہ در دہلی بعیت اند بخدمت مولوی عبد الرزاق کہ بظاہر و باطن لیاقت ارشاد و تعلیم طریقہ دارند رجوع نمایند و صحبت ایشان را غنیمت دانند۔"[4]

ایک مرید کو نصیحت کرتے ہیں:

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب سی و دوم ص ۴۳ [2] ایضاً مکتوب سی و سوم ص ۴۴ [3] ایضاً مکتوب سی و ہشتم ص ۴۸ [4] ایضاً مکتوب چہل و نہم ص ۵۱

باید کہ آں برخوردار بظاہر مقید بشرع و در باطن مشغول بذکر طریقہ باشند کہ فلاح دوجہاں

دریں کار منحصر است و ایشان را نیز باید کہ بذکر قلبی مقید باشند و التزام شریعت و محبت مشائخ

و دوام شغل باطن واجب دانند۔"[۱]

ایک مرید کو جن کا شہر سیاسی ہنگامہ آرائیوں کی آماجگاہ بن گیا ہے سورۂ لایلاف کی تلاوت

کی تلقین کرتے ہیں :

"امید قوی است کہ او سبحانہ جل شانہ صاحبان دوستان ما را مع جمیع ساکنان آن

شہر محفوظ از آفات دارد۔ تلاوت سورۂ لایلاف صبح و شام لازم گیرند و ہمہ دوستان و

متوسلان را بفرمایند۔"[۲]

ایک مریدہ کو لکھتے ہیں کہ

"اگر با بزرگان با ادب و با خورداں بمہر و شفقت زندگی نمایند ہیچ کسی بدی باشما نمی

تواند کرد و در اطاعت و خدمت شوہر کہ فلاح دین و دنیا رضای او تعالیٰ موقوف بر آنست

باید کوشید و غضب و غصہ را باید خورد و زبان را از کلمات نالائق باز باید داشت و تقید در

نماز ہم باید کرد...... اگر مستورات توفیق یابند و از شما توجہ خواہند البتہ توجہ بدہید اجازت

است۔ تاثیر خواہد شد۔"[۳]

اپنے محبوب مرید قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو تنبیہ کرتے ہیں :

"برادر من، عجب کاریست کہ ہر واحد از مردم پانی پت لبریز شکایت شما می آید، معلوم نیست

چہ عمل از شما واقع می شود۔ اگر راستی و دیانت شما آزار مردم است از آں راستی نگذرید۔ برائے

حفظ حرمت تبادل ہم خاطر مردم را مرعی دارید کہ طریقۂ پیران طریقہ بدنام می شود۔ برای خاطر

---

۱ کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب سی و نہم ص ۴۴ ۲ ایضاً مکتوب چہل و ششم ص ۴۶ ۳ ایضاً مکتوب ہشتاد و دوم ص ۷۵

لیکن دیگراں را آزردہ کردن و خود را بدنام ساختن باایں کمالات ظاہری و باطنی دور

از عقل است۔ انکار مردم باعث خرابی کارخانۂ ارشاد است۔"[۱]

مکاتیب سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مرزا صاحب بعض اوقات غائبانہ طور پر اپنے مریدوں کو توجہ

دیتے تھے، مثلاً ایک مرید کو لکھتے ہیں :

"ہر صبح بعد نماز متوجہ بفقیر بنشینید بے ناغہ توجہ می دہیم۔ از کسی توجہ بگیرید۔"[۲]

ایک دوسرے مرید کو اطمینان دلاتے ہیں کہ

"تا رسیدن شما فقیر ان شاء اللہ تعالیٰ بعد نماز یک دو گھڑی روز بر آمدہ پیش از حلقہ

یا بعد آں بجانب مستورۂ شما متوجہ خواہد شد۔"[۳]

ایک اور مکتوب میں کسی مرید کو تاکید کرتے ہیں کہ

"آں برخوردار را گویند کہ ہر صباح متوجہ فقیر شدہ بنشیند۔ او را خود توجہ نہ دہند۔"[۴]

مکاتیب سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے طریقہ کی ترویج و اشاعت کے لیے

دہلی سے باہر دوسرے علاقوں میں خصوصاً رہیل کھنڈ جایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

"آمدن ما در آں حدود ...... برای ترویج طریقہ است۔"[۵]

ایک دوسرے خط کے ذریعہ کسی کو اطلاع دیتے ہیں کہ

"ان شاء اللہ تعالیٰ در ماہ صفر ارادۂ سنبھل دارم کہ از چندیں سال ہر سال اتفاق می افتد رسم۔"[۶]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ

"فقیر از سیر امروہہ و مراد آباد فارغ شدہ است و قصد تماشای شاہ جہاں پور دارد۔

---

۱ کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب ہفتاد و ہفتم ص ۴۴ ۲ ایضاً مکتوب چہل و دوم ص ۴۹ ۳ ایضاً مکتوب سی و ہفتم ص ۴۴

۴ ایضاً مکتوب سی ام ص ۴۲ ۵ ایضاً مکتوب چہل و یکم ص ۴۸ ۶ ایضاً مکتوب بست و ہفتم ص ۴۱

انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب می رسد، دو سہ مقام در بریلی کردہ، روانۂ پیشتر می شود و پنج و شش مقام
در شاہ جہاں پور نمودہ مراجعت بہ سنبھل می نماید، بعد از آں بدہلی می رود باوجود ضعف پیری
ایں حرکت عنیف را برخود پسندیدن بنا بر اغراض صحیحۂ اخرویہ است کہ خدا می داند[1]"

ان مکاتیب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو اپنے مریدوں سے بڑی محبت تھی اور وہ ان پر بہت شفقت فرماتے تھے، مثلاً قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے صاحبزادہ مولوی دلیل اللہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ

"فقیر ..... دلیل اللہ را بسیار دوست می دارد و عکس محبت او در مرآۃ قلب فقیر افتادہ
دگرنہ در باطن ہرگز نقشے از نقوش صفحۂ کائنات نمی نشیند[2]"

ان ہی مولوی دلیل اللہ کو لکھتے ہیں کہ

"اگر فتوح مساعدت می کند و زندگی وفا می نماید انشاء اللہ تعالیٰ رعایتہا خواہم کرد کہ
شمارا اشفاق والدین فراموش خواہد شد[3]"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے دوسرے صاحبزادے احمد اللہ کی علالت پر اپنی تشویش اور محبت و شیفتگی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"از مرعارضۂ برخوردار احمد اللہ فقیر سخت تشویش دارد، عمر طبعی فقیر آخر شدہ دگرنہ
از عمر خود بایں برخوردار می بخشیدم کہ بمحنت بسیار ایں نسخہ بصحت رسیدہ است خدا او را عمر درازی کند[4]"

نواب ارشاد خاں بہادر کے صاحبزادہ ظفر علی خاں سے بھی مرزا صاحب کو خصوصی محبت تھی، ان کے اخلاص و مناقب کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

"آنچہ در باب برخوردار ظفر علی خاں نوشتہ اند واقعیست۔ از اخلاص و مناقب و دیگر

---

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب پنجاہ و دوم ص ۷۵ [2] ایضاً مکتوب ہفتاد و ہفتم ص ۸۶ [3] ایضاً مکتوب ہشتاد و چہارم ص ۸۰ [4] ایضاً مکتوب ہفتاد و یکم ص ۶۳

مراتب ہر چہ می باید بود و دل می خواہد او ہمہ دارد وہمیں خوبیہای او مرا شکار دام محبت کردہ۔
خدا او را فتوحات صوری و معنوی ارزانی دارد کہ مرا در دنیا عزیز تر از او کسی نیست و
در واقع بجای مادر و پدر و بجای پرستار و نفر در حق او ہمیں فقیرم و از او ہم آداب
ارادت و فرزندی و غلامی و بندگی بتقدیم می رسد[1]"

ایک دوسرے مرید فیض اللہ خاں کے مناقب و محاسن اس طرح بیان کرتے ہیں:

"از خوبی فیض اللہ خاں صاحب چہ نگارم، مناقب و محاسن تمام عالم در نسخۂ این
نوجوان جمع ساختہ اند خدا ایش باقصی مراتب دین و دنیا برساند[2]"

اسی طرح بعض مریدوں کی موت پر جس طرح انھوں نے اظہار غم کیا ہے اس سے بھی ان کی محبت و شیفتگی کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً نواب ارشاد خاں کی وفات پر اس طرح اظہار ماتم کرتے ہیں:

"نواب ارشاد خاں مغفور رحلت نمودند، آدمیت را بخاک بردند۔ خدا بیامرزد
و تنہائی ما را تماشا باید کرد[3]"

ایک اور مکتوب میں ان کی دائمی جدائی پر اس طرح اظہار غم کرتے ہیں:

"..... داغی بر دل گذاشتند کہ مرہمی ندارد[4]"

میر سلمان جو مرزا صاحب کے خواجہ تاش بھی تھے اور مرید بھی، انکی رحلت کی خبر پا کر کسی کو لکھتے ہیں کہ

"از خبر جاں گداز رحلت میر سلمان صاحب چہ نویسیم کہ بر من گذشت۔

یار رفت و ما چوں نقش پا بخاک افتادہ ایم
سایہ می گردید کاش ایں نارسا افتادگی[5]"

ص ۵۳

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب سی ام ص ۴۴ [2] ایضاً مکتوب بست و ششم ص ۴۰ [3] ایضاً مکتوب پنجاہ و پنجم
[4] ایضاً مکتوب بست و ششم ص ۴۰ [5] ایضاً مکتوب پنجاہ و پنجم ص ۵۳

مرزا صاحب نے بعض مکاتیب میں اپنے مریدوں اور دوستوں کی سفارشیں بھی کی ہیں، یہ سفارشیں دینی نقطۂ نگاہ سے بھی ہیں اور دنیاوی لحاظ سے بھی، مثلاً ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ

"میاں محمد اکبر از یاران طریقہ بتقریبی آنجا می رسند تا نصف دائرۂ امکان رسیدہ اند۔ اگر التماس توجہ از شما بکنند البتہ توجہ بدہند و در امور مرجوعۂ دنیوی ایشان نیز سعی نمایند و از کلمۃ الخیر تا مقدور دریغ نفرمایند۔"[1]

ان کے ایک مرید فیض اللہ خاں بیمار ہیں، ایک دوسرے مرید کو لکھتے ہیں کہ

"چوں سلب امراض قلب و قالب معمول حضرات ماست رضی اللہ تعالیٰ عنہم و حق تعالیٰ آنجناب را قوت و قدرت آں عطا کردہ است چرا از راہ انکسار خود را دریں امر معذور دارند۔ فیض اللہ خاں صاحب را ہر روز پیش رو نشانیدہ بقدر پانصد نفس سلب مرض ایشاں نمایند۔ تاکید است۔"[2]

یہ افسوسناک اطلاع دینے کے بعد کہ سکھوں نے سرہند کو لوٹ لیا اور بزرگانِ دین کے مزارات کو شہید کر دیا ہے، مکتوب الیہ کو تاکید کرتے ہیں کہ

"جماعتی قصد آں طرف ہا کردہ اند خصوصاً میر اسد اللہ صاحب کہ با فقیر خصوصیت بسیار دارند تشریف می آرند۔ اگرچہ احوال آں ملک و مردم آنجا مخفی نیست لیکن بضرورت مرقوم می گردد کہ اہل طریقہ را بقدر مقدور بدست و زبان در خدمت ایشاں مقصر نمی باید بود۔"[3]

ایک مکتوب میں ایک ہندو نوجوان کی سفارش ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"لالہ برج لال نام جوانی از دوستاں مقرری کہ در حسن سلیقہ متصدیگری و صحبت داری بزعم فقیر نظیر ندارد و عمدہ زادہ و عمدۂ روزگار بودہ است دریں ایام از وطن خود کہ اکبر آباد است

---

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب پنجاہ و یکم ص ۷۵ [2] ایضاً مکتوب بست و چہارم ص ۳۹ [3] ایضاً مکتوب پنجاہ و ہم ص ۸۱

بتلاش معاش دریں جا وارد شدہ است، منتظر بودیم کہ زود بیاید تا ایں نسخۂ صحیحۂ آدمیت با قای خود بر خورانیدہ احسان دست بستہ در حق آقا کہ مرد فہمیدہ و دولتخواہ با او رفیق شود و ہم در حق خود کہ ایں چنیں زور بازوی شما باشد و ہم در حق فقیر کہ مخلص مستعد کذائی بتقریب روزگار از ما دور تر نزدیک کردہ باشید و باید کہ پیش از رسیدن بتقریبات مستحسن خداوند نعمت خود واقف ساخت او سازید و ازیں معنی ما را اطلاع دہید تا مسرور باشیم۔"[1]

ایک مرید کو ایک دوسرے مرید کے لیے جو گردشِ روزگار سے تنگ آ کر پردیس جا رہا ہے، تلاش روزگار کے لیے توجہ دلاتے ہیں:

"میر بچہ صاحب ..... از گردش روزگار قصد پورب کردہ اند بخدمت خواہند رسید ..... بقدر مقدور در تلاش روزگار و معاش ایشان توجہ خواہند نمود۔"[2]

مرزا صاحب کا زمانہ سیاسی و اقتصادی حیثیت سے بڑا پُرآشوب تھا، جب انھوں نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو مغلیہ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی، مرکز کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے ملک میں مختلف باغیانہ طاقتیں ابھر آئیں، دکن میں شورش برپا ہوئی، جاٹوں نے ادھم مچائی، سکھوں نے فساد کیا، روہیلوں نے بغاوت کی، مرہٹوں نے لشکر کشی کی، غرض سارے ملک میں اقتصادی بدحالی اور سیاسی بےچینی تھی، مرزا صاحب کے بعض مکتوبات میں ان ہنگامہ آرائیوں کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں،

ان تمام ہنگاموں اور شورشوں کا رخ دہلی کی طرف ہوتا تھا، چنانچہ مرزا صاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

"از ہر طرف فتنہ قصد دہلی می کنند۔"[3]

---

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب سی و ششم ص ۴۹ [2] ایضاً مکتوب چہل و ہشتم ص ۵۱ [3] ایضاً مکتوب پنجاہ و چہارم ص ۵۲

مرہٹہ گردی کے اثرات کا ذکر اس دردناک انداز سے کرتے ہیں :

"از آشوب و ہنگامہ کہ دریں حدود بسبب غلبۂ افواج جنوبی و فرار قوم روہیلہ شدہ و قصبات و دیہات بتاراج رفتہ چہ نویسد مفصل از خطوط عزیزاں معلوم خواہد شد۔"[1]

ایک مرید کو ڈھارس بندھاتے ہیں :

"از آشوب کفار مرہٹہ اندیشہ نکنید۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوستاں را مضرتی نخواہد رسید۔"[2]

ایک مکتوب میں کسی کو یہ المناک اطلاع دیتے ہیں :

"دریں روزگار المی قوی بدل راہ یافتہ۔ در ماہ گذشتہ قلعۂ تھانیسر را کفار سکھ بند و متصرف شدند و قتل و غارت وا سر در میان آمد۔ مولوی قلندر بخش جیو سلمہ ربہ مع زن و فرزند غارت خوردہ بسلامت جانہا بر آمدند۔ طرفہ حالی گذشت۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔"[3]

اسی خط میں خاتمہ پر لکھتے ہیں کہ

"در امور سلطنت نسقی نماندہ۔ خدا خیر کند۔"[4]

ایک دوسرے مکتوب میں اپنے کسی مرید کو یہ روح فرسا خبر سناتے ہیں :

"از ظلم و ستم کافران سکھ خذلہم اللہ تعالیٰ بلدۂ متبرکہ سرہند ویران شد و مزارات حضرات علیہم الرضوان بشہادت رسید و صاحبزادہ ہا آوارۂ ہر شہر و دیار شدند۔"[5]

شاہ عالم نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی سفارش پر نجف خاں کو قلمدانِ وزارت دیا تو اس نے سنیو
پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، سنی علما کو سخت ایذائیں پہنچائیں، لوگوں کی جان و مال اور عزت
ہر وقت خطرہ میں رہتی تھی، مرزا صاحب نے ایک مکتوب میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، لکھتے

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب چہل و ششم ص ۵۰ [2] ایضاً مکتوب بست و ہفتم ص ۴۲ [3] ایضاً مکتوب سی و یکم ص
[4] ایضاً مکتوب سی و یکم ص ۴۳ [5] ایضاً مکتوب پنجاہم ص ۵۱

"حال مردم ایں شہر از روزیکہ نجف خاں آمدہ است از شاہ تا گدا تباہ است و ذکر خلاص مجدالدولہ بر زبان خاص و عام است۔ خدای تعالیٰ زود بظہور آرد۔"[1]

اسی طرح ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ

"حال مردم ایں حدود تباہ است۔ خدا رحمی بر امت محمدیہ فرماید۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔"[2]

ایک مرید کو تسلی دیتے ہیں :

"رزق و فتوح موقوف بر آبادی ملک نیست، خاطر جمع دارید کہ خدا کارساز است۔"[3]

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ

"دریں مملکت خیر نیست۔ منتظر لطیفۂ غیبی باشید۔ خدائے تعالیٰ شمارا معزز و غنی خواہد داشت۔"[4]

حکیم محمد فاروق کو کسی شہر کے باشندوں کی پریشانی و پریشان حالی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ

"احوال مردم شہر از بیماری عام و نا امنی تا کجا نویسد۔ خدا ازیں بلدہ مورد غضب الٰہی بر آورد کہ نسقی در امور سلطنت نماندہ۔ خدا خیر کند۔"[5]

شاہ ابدالی کے حملے ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، خصوصاً آخری حملہ نے تو اس کی تاریخ کا رخ موڑ دیا، مرہٹوں نے پورے ہندوستان پر حکمرانی کا جو خواب دیکھا تھا اور جو بڑی حد تک صحیح ہوتا نظر آرہا تھا، اس حملہ کی وجہ سے پریشان ہو گیا، مرزا صاحب کے ایک مکتوب میں ابدالی کے ایک حملہ کا بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

"شاہ ابدالی در پیشاور رخت اقامت انداختہ و تیمور مرزا پسر کلان خود را با افواج بکرار برای بندوبست ممالک خراسان رخصت کردہ اندیشۂ اصلاح مملکت پنجاب و ملتان کہ ہر د

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب سی و چہارم ص ۴۵ [2] ایضاً مکتوب پنجاہ و سوم ص ۵۲ [3] ایضاً مکتوب پنجاہ و پنجم ص ۵۳ [4] ایضاً مکتوب پنجاہ و پنجم ص ۵۳ [5] ایضاً مکتوب ہشتاد و ششم ص ۶۹

دریں ایام از نسق افتادہ، و سر دارد و غالب آنست کہ ایں کار از افواج خود گیرد و
اگر حاجت بحرکت خود او خواہد افتاد تا لاہور و ملتان خواہد رسید۔ آخر ملک او ست۔ سرہند شان
ندارد و الوسات فراہم نیاوردہ فوج قدیم ہمراہ دارد و بس و مردم دہلی کہ عادت بعزا دارند
بی اختیار دستپاچہ می شوند و اینجا مزاحمت بسیار است و ہمیں مناسب است کہ فتنہ از لاہور
قصد دہلی نکند۔ آبروی ما و شما یکیست پای گریز نداریم، عمل برایں آیت کردہ ایم ففروا الی اللہ[1]

اب ہم مرزا صاحب کے طرز تحریر اور اسلوب بیان سے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

ان مکاتیب کا طرز تخاطب اس زمانہ کے دستور کے برعکس نہایت سادہ و بے تکلف ہے۔
ان میں محمد شاہی عہد کی رنگینی و پرکاری اور تکلف و تصنع کا قطعی اثر نہیں ہے، اکثر و بیشتر خطوط بغیر
کسی القاب و آداب کے شروع ہوتے ہیں، گنتی کے چند خطوط میں القاب و آداب ہیں اور وہ
بھی نہایت مختصر۔ مثلاً

"برخوردارا، مخدوما، برادر من، جان من سلامت باشی" وغیرہ

صرف ایک مکتوب میں مندرجۂ ذیل القاب استعمال ہوئے ہیں:

نفس قدسی شخص علوی، مہربان قدردان این ہیچکارہ و ہیچمداں

لیکن اس طرز تخاطب کو فرسودہ یا محمد شاہی روش کا اثر نہیں کہہ سکتے۔

بعض مکتوبات کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"بعد حمد و صلوٰۃ از فقیر جان جاناں مطالعہ نمایند۔" "اللہ معکم اینما کنتم۔"

"الحمد للہ علی نوالہ و سبحانہ و تعالیٰ" "الحمد للہ حمداً کثیراً۔" وغیرہ

اسی طرح مرزا صاحب مکتوب کا خاتمہ نہایت سادہ طریقہ سے کرتے ہیں۔ مثلاً

[1] کلمات طیبات، مکتوبات مرزا صاحب، مکتوب ہفتاد و یکم ص ۶۱

"والسلام" "اللہم اجعل خیر عمری آخرہ" "مستفیدان مجلس شریف سلام قبول نمایند" وغیرہ

دو چار خطوط میں ابتدا میں اپنا نام لکھا ہے، ورنہ خاتمہ پر کسی ایک خط میں بھی نام درج ہے
اور نہ تاریخ تحریر، صرف ایک مکتوب کے خاتمہ پر ۱۱۸۶ھ لکھا ہے۔

مکتوبات کی زبان صاف، سادہ اور سلجھی ہوئی ہے، اور انداز بیان میں سنجیدگی و
متانت اور عالمانہ وقار پایا جاتا ہے، عبارت میں شستگی و روانی کے ساتھ سادگی و بے تکلفی ہے جو
بجائے خود ایک حسن ہے، لیکن ادبیت و انشاء پردازی سے یکسر خالی بھی نہیں۔ مثلاً مندرجۂ
ذیل جملے انشاء پردازی کا اچھا نمونہ کہے جا سکتے ہیں:۔

"سرمایۂ وجود فقیر در آغاز قطرۂ آبی و در انجام مشت خاکی است۔"

"التفات نامۂ سامی از مخدوم زادۂ گرامی بعد عمری رسید، جان تازہ رسانید
و باعث تجدید و تقویت نسبت اخلاص گردید۔"

"حامداً و مصلیاً و مسلماً حضرت میر صاحب مشفق من، ہزاراں سال سلامت باشی
کہ بعد مرگ و نومیدی آب حیات نوید قدوم برکات لزوم دریں مرز و بوم این مردۂ صد سالہ
را زندۂ جاوید ساختی۔"

"نواب ارشاد خاں مغفور رحلت نمودند، آدمیت را بخاک بردند، خدا بیامرزد
و تنہائی ما را تماشا باید کرد۔"

"خبر فوت مغفورۂ مرحومہ مغلانی بیگم پیش ازیں دل را داغ و جان را بی دماغ
کردہ بود۔"

"فقیر وکیل اللہ را بی اختیار دوست می دارد و عکس محبت او در مرآۃ قلب فقیر
افتادہ وگرنہ در باطن ہرگز نقشی از نقوش صفحۂ کائنات نمی نشیند۔"

کہیں کہیں اشعار کا استعمال بڑی عمدگی سے کیا ہے، جس سے عبارت میں زور اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے، قرآن مجید کی آیات بھی موقع و محل سے استعمال کی ہیں، اور اس سے بھی تحریر میں وزن اور حسن پیدا ہوگیا ہے۔

بعض الفاظ اور ترکیبیں مرزا صاحب کے قلم سے ایسی نکل گئی ہیں جنھیں فارسی کے اہل زبان شاید صحیح قرار نہ دیں، مثلاً

ناخوش، ناخوشی	(ناراض اور ناراضگی کے معنوں میں)
فرمت،	(اردو کے مفہوم میں)
تکلیف	(زحمت کے معنی میں)
معاف فرمائید یا کنید	(بجائے عفو کنید یا بخشید)
غصہ	(خشم کے معنی میں)
کلمات نالائق	(بجائے کلمات ناشائستہ یا نازیبا)
سردی	(بجائے سرما) وغیرہ

اسی طرح دو ایک جگہ قواعد کی بھی غلطیاں نظر آتی ہیں، مثلاً

شش مذاہب، سہ برادران، والدات (بجائے والدین) وغیرہ

مخاطب کے لیے اکثر و بیشتر صیغۂ غائب استعمال کیا ہے،

لیکن ان مکاتیب کی قدر و قیمت حقیقت میں ان کے عالمانہ و متصوفانہ مضامین اور بے تکلف مگر سنجیدہ و متین انداز بیان کی وجہ سے ہے، اس لیے ان چند معمولی تسامحات سے قطع نظر کیا جا سکتا ہے۔

ان خطوط کا مطالعہ تاریخی، مذہبی اور متصوفانہ نقطۂ نگاہ سے کرنا چاہیے۔

فقہ اسلامی کے مآخذ

از

از جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر دار العلوم معینیہ اجمیر

(۶)

ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہے	(۱۶) الولایۃ الخاصۃ اقوی من الولایۃ العامۃ	ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہے۔

حکومت کو عمومی حیثیت سے ولایت اور انتظام کا حق حاصل ہے، لیکن جن لوگوں کو خصوصی حیثیت سے یہ حق حاصل ہے انھیں حکومت پر ترجیح ہوگی، خواہ وہ لوگ حکومت ہی کی جانب سے مقرر کئے گئے ہوں، البتہ جن صورتوں میں انتظام ان کے بس سے باہر ہو جائے یا ان کی نااہلی اور بد انتظامی کا ثبوت فراہم ہو جائے تو حکومت انھیں بیدخل یا اور کوئی مناسب انتظام کر سکتی ہے،

اسی بنا پر فقہا نے کہا ہے:

لا یملک القاضی التصرف فی مال الیتیم مع وجود وصیہ ولو کان منصوبہ	وصی کے ہوتے ہوئے قاضی (حاکم) یتیم کے مال میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتا، اگرچہ یہ لوگ اسی کے مقرر کیے ہوں۔
ان القاضی لا یملک عزل الیتیم	وقف کا نگراں جو وقف کرنے والے کی جانب سے

علی الوقف من جهة الواقف	مقرر کیا گیا ہو، حاکم اسکو علیحدہ نہیں کرسکتا،
الا عند ظهور الخيانة منه.	البتہ خیانت کی صورت میں کرسکتا ہے۔
لا يملك القاضي التصرف في	ناظر وقف کے ہوتے ہوئے حاکم وقف کے
مال الوقف مع وجود ناظره و	مال میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتا ہے
ولو من قبله	اگرچہ ناظر حاکم کی جانب سے مقرر کیا گیا ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس کلیہ سے نکالے گئے ہیں، مثلاً

(۱) ولی کی موجودگی میں حاکم یتیم اور یتیمہ کا نکاح نہیں کرسکتا (۲) مقتول کے ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص (جان کے بدلے جان) لے صلح کرلے یا معاف کردے، لیکن حاکم کو معافی دینے کا اختیار نہیں ہے (۳) حکومت کو اسی وقت ولایت کا حق حاصل ہوگی جبکہ ولی موجود نہ ہو یا ولی کی خیانت ثابت ہوجائے (یعنی وہ مال وجائداد کی طرح میں لڑکے اور لڑکیوں کا مفاد نظرانداز کرکے غیر مناسب جگہ شادی کرنے کے لیے آمادہ ہوں) ایسی صورت میں ولی کی ولایت باطل ہوجائے گی،

ولایت کے درجے اور مراتب ہیں، مثلاً

(۱) باپ اور دادا کو مال اور نکاح دونوں کی ولایت حاصل ہے، اگرچہ دونوں اپنے کو اس حق سے معزول کرنا چاہیں جب بھی معزول نہ ہوں گے (۲) والدہ اور بیٹے، پوتے، بھائی، بھتیجے، چچا، چچیرے بھائی، پھوپھی، نواسے، نانا، نانی، بھانجے وغیرہ کو نکاح کی ولایت حاصل ہے مگر مال کی ولایت حاصل نہیں ہے (۳) وصی اجنبی یا منتظم اجنبی کو صرف مال کی ولایت ہوگی نکاح کی نہ ہوگی۔

لہ الاشباہ والنظائر ص ۱۱۵

کام مقاصد کے لحاظ سے دیکھے جاتے ہیں

(۱۷) الامور بمقاصدها	کاموں کا اعتبار ان کے مقاصد کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

فقہا نے اس اصول سے حسب ذیل قسم کے مسائل نکالے ہیں:

(۱) انگور وغیرہ کا شیرہ شراب کے لیے نہ ہو بلکہ تجارت اور سرکہ بنانے کیلیے ہو تو جائز ہے۔

(۲) کسی سے تین دن تک قطع تعلق جائز نہیں ہے، لیکن اگر مقصود قطع تعلق نہ ہو تو تین دن سے زیادہ میں حرج نہیں ہے۔

(۳) شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں لیکن اگر سوگ مقصود نہ ہو تو ترک زینت (سوگ کی شکل) وغیرہ میں تین دن سے زائد میں حرج نہیں ہے،

(۴) اگر دشمن میدان جنگ میں مسلمان اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے سامنے کردیں، اس کے جوابی حملہ میں اگر ان کا مارنا مقصود نہ ہو بلکہ دشمن تک پہنچنا مقصود ہو اور اس کے علاوہ اور کوئی شکل موجود نہ ہو تو مسلمانوں پر حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۵) اگر قرآن حکیم کی کوئی آیت نماز میں کسی شخص کے جواب میں تلاش کی گئی تو نماز باطل ہوجائے گی، اسی طرح نماز میں کوئی خوشی کی بات سنکر "الحمد للہ" کہا یا ناگواری کی بات سنکر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا یا موت کی خبر پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہا تو نماز باطل ہوجائیگی، کیونکہ ان تمام صورتوں میں مقصود بدل جاتا ہے،

(۶) جو کلمات کفر تک پہنچانے والے ہیں، ان کے استعمال پر کفر کا حکم لگانے میں مقصد پر نظر ہونی چاہئے، جیسا کہ فقہ میں ہے:

وله نظائر كثيرة في الالفاظ	کفریہ کلمات میں بہت سی نظیریں موجود

التکفیر کلھا ترجع الی قصد الاستخفاف[1] ہیں کہ وہ مقصود کی طرف لوٹائے جاتے ہیں.

جن کے لیے یہ کلمات استعمال کیے گئے ہیں اگر اس کی اہانت وحقارت اور بے وقعتی مقصود نہیں

ہے تو کفر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے،

(۷) معمول کے مطابق محض خواہشِ نفس کی خاطر شکم سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے،

لیکن روزہ رکھنے کے قصد سے یا میزبان کی خاطر سے جائز ہے،

(۸) جس صندوق یا گٹھری میں قرآن حکیم رکھا ہوا ہو اگر اس کو حفاظت اور توہین سے

بچانے کی غرض سے اس پر بیٹھ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ عام حالات میں ناجائز ہے،

یقین شک سے نہیں زائل ہوتا

(۱۸) الیقین لایزول بالشك یقین شک سے نہیں زائل ہوتا ہے.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

اذا وجد احدکم فی بطنه — جب کسی کے پیٹ میں قراقر ہو اور یہ پتہ نہ

فاشکل علیه اخرج منه شئ — چل سکے کہ وضو و نماز کی توڑنے والی کوئی

ام لا فلا یخرجن من المسجد — چیز پائی گئی ہے یا نہیں تو جب تک یقین نہ ہو جائے

حتی یسمع صوتا او یجد ریحا[2] — اس پر عمل نہ کرے اور بدستور وضو و نماز پر قائم رہے،

کیونکہ پہلے کی حالت پر یقین ہے اور درمیان میں پیش آنے والی حالت میں تذبذب اور شک ہے

اس بنا پر یقینی حالت کو شک کی وجہ سے ختم کرنے کا حکم نہیں ہے،

لان الشك الطاری لایرفع — بعد میں پیش آنے والا شک پہلے کے یقین

حکم الیقین السابق — کے حکم کو نہیں ختم کرتا.

مثلاً جس ناپاک کپڑے میں نجاست کا پتہ نہ چل سکے کہ کس جگہ نجاست لگی ہوئی ہے

[1] الاشباہ والنظائر ص ۱۱ [2] مسلم شریف

اور پورا کپڑا دھونا دشوار ہو تو ایسی حالت میں اندازہ سے جس جگہ نجاست کا زیادہ رجحان پایا جائے

وہ دھولی جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا، اس لیے کہ اصل طہارت ہے، نجاست درمیانی

عارض ہے، اس لیے جب ایک جگہ اندازہ سے دھولیا تو اصل حکم طہارت کا اپنی جگہ بدستور

قائم ہو جائے گا، لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ پورا کپڑا دھو ڈالے. فقہا نے کئی مسائل کو مذکور

اصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں ملے گی.

اس کے قریب یہ اصول بھی ہے:

جو حالت پہلے تھی اسی کو باقی رہنے دینا اصل ہے

(۱۹) الاصل بقاء ماکان علی ماکان — جو حالت پہلے تھی اسی کو باقی رہنے دینا اصل ہے.

کسی شخص کو طہارت کا یقین ہے، لیکن غیر طہارت میں شک ہے تو طاہر مانا جائے گا،

اسی طرح غیر طہارت کا یقین ہے اور طہارت میں شک ہے تو وہ غیر طاہر ہوگا، کیونکہ اصل پہلے

کی حالت ہے اسی کو حتی الامکان باقی رکھا جائے گا،

اسی اصول پر راستہ کی مٹی اور کیچڑ وغیرہ کی طہارت کا بھی حکم ہوگا جب تک اس کے

خلاف دلیل یا رجحان کا غلبہ نہ ہو.

آخری رات میں اس لیے سحری کھائی کہ صبح صادق کے طلوع ہونے میں شک تھا تو

روزہ صحیح ہوگا، کیونکہ اصل ماقبل کی حالت (رات) کا باقی رہنا ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ ایسی

حالت میں سحری نہ کھائے خصوصاً جبکہ ابر ہو یا چاندنی رات کی وجہ سے پتہ نہ چل سکے، اس کے

برخلاف اگر آفتاب کے غروب ہونے میں شک ہو تو افطار کا حکم نہ ہوگا کہ اس صورت میں

اصل دن کا باقی رہنا ہے.

کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں شک ہو تو نہ کرنا اصل ہوگا.

(۲۰) من شك فعل شیئا ام لا فالاصل انه لم یفعل — جس کو کسی عمل کے کرنے اور نہ کرنے میں شک ہو تو اصل نہ کرنا مانا جائے گا.

(۲۰) من یتقن الفعل وشك[۱] فی القلیل والکثیر علی القلیل — اگر کسی عمل کے کرنے کا تو یقین ہو لیکن اس میں کمی اور بیشی میں شک ہو تو کمی پر عمل کیا جائیگا۔

پہلی صورت میں نہ کرنے کا یقین ہے اور دوسری میں اقل (کمی) کا یقین ہے اور یقین شک سے نہیں زائل ہوتا، جیسا کہ فقرہ میں ہے۔

مانثبت بیقین لا یرتفع الا بالیقین — جو بات یقین سے ثابت ہو اس کو یقین ہی ختم کر سکتا ہے۔

یقین سے مراد اس جگہ ظن غالب ہے۔ والمراد به غالب الظن[۱]

ظن حجت کیجانب رجحان کو کہتے ہیں۔ والظن ترجیح جهة الصواب

شک دونوں جانب برابر ہوتے ہیں۔ الشك تساوی الطرفین

وہم خطاء کی جانب رجحان۔ والوهم رجحان جهة الخطاء

فقہاء کے نزدیک جب ظن غالب نہ ہو تو شک بھی یقین کے درجہ میں شمار ہوگا[۲]۔

(۱) مثلاً جس شخص کو طلاق دینے اور نہ دینے میں شک ہو تو طلاق نہ ہوگی اور اگر عدد میں شک ہو کہ دو طلاقیں دی ہیں یا تین تو اقل دو سمجھی جائیں گی،

(۲) نماز کے پڑھنے نہ پڑھنے میں شک ہو تو دوبارہ پڑھنے کا حکم ہوگا اور اگر رکعت کی تعداد میں شک ہو تو دونوں میں کم تعداد صحیح سمجھی جائے گی۔

(۳) امام اور مقتدی کے درمیان رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہو اور امام کو اپنی بات پر یقین ہے تو اس پر نماز لوٹانا ضروری نہیں ہے اور اگر یقین نہیں ہے تو لوٹانا ضروری ہے،

(۴) نماز ظہر کی نیت کی اور ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوسری رکعت میں شک ہوا کہ

---

[۱] الاشباہ والنظائر ص ۳۷ [۲] ایضاً

وہ عصر کی نماز پڑھ رہا ہے، تیسری میں شک ہوا کہ نفل پڑھ رہا ہے، چوتھی میں شک ہوا کہ ظہر ہی کی نماز ہے تو اس صورت میں شک کا اعتبار نہ ہوگا اور ظہر کی نماز ہو جائے گی،

اقل اور اکثر کے اس اصول سے ذیل کی چند صورتیں مستثنیٰ ہیں، جو عموماً وہی ہیں جن کا دوسروں کے حق سے تعلق ہے مثلاً۔

(۱) ایک شخص کے پاس کئی قسم کا مال موجود ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، مگر یہ شک ہوا کہ کل کی زکوٰۃ واجب ہے، یا بعض کی تو کل کی ادائگی واجب ہوگی (۲) اسی طرح طلاق اور وفات کی عدت میں شک ہوا تو اکثر کا اعتبار ہوگا، جس کی مدت زیادہ ہوگی وہ گذارنی پڑے گی،

بعض معاملات میں عدم اصل ہے	(۲۲) الاصل العدم	اصل عدم ہے

(۱) مثلاً دو شرکاء کے درمیان نفع میں یا نفع کی مقدار میں اختلاف ہوا تو اس شخص کی بات کو ترجیح ہوگی جس نے نفع نہ ملنے یا کم ملنے کا اقرار کیا ہے، کیونکہ اصل عدم ہے۔ البتہ اگر فریق مخالف کے پاس قوی ثبوت ہے، تو اس کے قول کا اعتبار ہوگا،

(۲) بیوی نے شوہر پر نان نفقہ کا دعوی کیا اور شوہر نے اس کی ادائگی کا اقرار کیا یا قرضدار نے قرض کی ادائیگی کا اقرار کیا اور قرضخواہ نے انکار کیا تو عورت اور قرضخواہ کا قول قابل اعتبار ہوگا، کیونکہ اصل عدم ہے اور عدم کے مدعی یہ دونوں ہیں (اس کے خلاف ثبوت کی صورت میں فیصلہ کی نوعیت بدل جائے گی)

یہ اصول ہر جگہ کے لیے عام نہیں ہے، بلکہ جہاں کہیں عارضی صفات پائی جاتی ہوں وہاں کے لیے ہے، جیسے "نفع" اور نان نفقہ وغیرہ، لیکن جہاں اصل صفات پائی جائیں گی وہاں کے لیے یہ اصول ہے۔

بعض میں وجود اصل ہے | (۲۲) الاصل الوجود — اصل وجود ہے

مثلاً کسی جانور کو جوان سمجھ کر خریدا، پھر بیچنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف ہوا تو بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ جوانی صفات اصلیہ میں سے ہے، لیکن اگر صریح دلیل سے اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو خریدنے والے کی بات کا اعتبار ہوگا۔

(۲۳) الاصل اضافة الحادث الی اقرب اوقاته — حادثہ (پیش آنے والی شی) کی نسبت قریب وقت کی طرف ہوگی۔

(۱) مطلقہ عورت کا دعویٰ ہے کہ مجھے خاوند نے مرض الموت میں طلاق دی تھی، اس لیے وراثت میں میرا حق ہے۔ اور ورثاء نے کہا کہ مرض سے پہلے طلاق دی جا چکی تھی، اس لیے وراثت میں حق نہیں ہے۔ تو اس اصول کے مطابق عورت کے قول کا اعتبار ہوگا کیونکہ وہ قریب وقت

(۲) ایک کپڑے میں نجاست لگی ہوئی تھی، اور وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ تو قریب وقت کی طرف نجاست کی نسبت ہوگی، اور صرف آخر کی نماز کو لوٹانا پڑے گا۔

(۳) کنویں سے مری ہوئی چوہیا نکلی اور یہ نہیں معلوم کہ کب گری ہے، تو امام ابو یوسف اور امام محمد اس اصول پر عمل کرتے ہوئے جب سے کنواں کی ناپاکی کا حال معلوم ہوا ہے اسی وقت سے ناپاک کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہ تین دن اور تین رات کی نماز لوٹانا ضروری قرار دیتے ہیں، مگر بہت سی جزئیات میں دوسری دلیل کی بنا پر اس اصول کے خلاف بھی عمل ہوتا ہے۔

اشیا میں اصل اباحت ہے | (۲۴) الاصل فی الاشیاء الاباحة — اشیا میں اصل اباحت ہے۔

اس اصول کا تعلق صرف ان امور سے ہے جن کے بارہ میں شریعت میں کوئی وضاحت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

الحلال بیّن والحرام بیّن — حلال کا حکم ظاہر ہے اور حرام کا حکم ظاہر ہے

وبینهما امور مشتبهات[۱] — ان دونوں کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں (جن کا حکم ظاہر نہیں ہے)

اس لیے جن امور کے بارہ میں حلال اور حرام کی تصریح موجود ہے ان میں اشتباہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، البتہ جن کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ موجود نہ ہو اور قوی دلیل کی بنا پر کسی ایک سمت کو ترجیح نہ حاصل ہو سکے، ایسی صورت میں مذکورہ اصول سے کام لے کر اس کی اباحت کا حکم دیں گے، جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں:

ویتخرج علیها ما اشکل حاله[۲] — اس اصول سے وہی صورتیں نکالی جائیں گی جن کا حال مشتبہ ہو۔

اس اصول کے استعمال میں فقہا نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے حتیٰ کہ بعض سے منقول ہے:

الاصل فی الاشیاء التحریم — اشیا میں اصل حرمت ہے۔

لیکن مفسر قرآن ابوبکر جصاص نے نہایت وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے

ان الاشیاء علی الاباحة مما لا یحظره العقل فلا یحرم شی الا ما قام دلیله[۳] — جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بہرحال اس اصول سے کام لینے کے لیے بڑی دقیقہ رسی کی ضرورت ہے۔

عورت کے معاملہ میں اصل حرمت ہے | (۲۵) اصل فی الابضاع التحریم — عورت کے معاملہ میں اصل حرمت ہے۔

حلت محض ضروریات کی بنا پر ہے، اس لیے ضرورت ہی کی حد تک اس میں وسعت و تنگی ہو گی۔ انسان کی نفسیاتی، معاشی اور سماجی زندگی کبھی وسعت سے کام لینے پر مجبور کرتی ہے، اور کبھی اس کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ حالات کا تقاضا یکساں نہیں ہوتا، اس بنا پر شریعت نے

۱؎ بخاری شریف ۲؎ الاشباہ والنظائر ص ۴۴ ۳؎ الاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۰

اصل (حرمت) کا لحاظ رکھتے ہوئے ضرورت رفع کرنے کے لیے نکاح کی اجازت دی ہے اور عدل (زندگی میں اعتدال) کی شرط کے ساتھ چار تک کی گنجایش رکھی ہے، اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو ایک ہی پر اکتفا کرنے کی ہدایت ہے۔

مذکورہ اصول کی چند جزئیات یہ ہیں:

(۱) اگر حلت اور حرمت میں اختلاف کی صورت پیدا ہو اور کسی دلیل سے ایک جانب کو ترجیح نہ ہو سکتی ہو تو حرمت کو غلبہ ہوگا۔ (۲) کسی شخص کے پاس کئی بیویاں تھیں، ان میں سے ایک کو طلاق دیدی، یاد نہ رہا کہ کس کو طلاق دی ہے تو کسی کو بیوی بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہر ایک کے بارے میں شبہ موجود ہے۔ (۳) کسی شخص نے ایک کے علاوہ سب بیویوں کو طلاق دیدی لیکن جب تک اس ایک کی تعیین نہ ہو کسی کو بھی بیوی بنانا جائز نہیں ہے۔

سبب حرمت کے مسئلہ میں یقین کا اعتبار ہوگا، شک کا نہ ہوگا، مثلاً دودھ پلانے سے حرمت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پیٹ میں دودھ پہنچ گیا ہے صرف چھاتی بچہ کے منہ میں رکھ دینے سے حرمت نہ ثابت ہوگی، کیونکہ بسا اوقات عورتیں بچہ کو بہلانے کے لیے ایسا کرتی ہیں، اور دودھ نہیں موجود ہوتا ہے۔ (۱) اگر اس بات کی شہرت ہو جائے کہ فلاں عورت نے فلاں بچی کو دودھ پلایا ہے اور عورت کہے کہ اس زمانہ میں میرے دودھ موجود ہی نہ تھا، صرف بہلانے کے لیے میں منہ میں چھاتی رکھ دیتی تھی تو عورت کی بات کا اعتبار ہوگا اور اس کے نسبی لڑکے کے ساتھ اس کی لڑکی (اگر لڑکی ہے) کا نکاح جائز ہوگا۔ (۲) جن دو لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان دودھ کے رشتہ کا شبہہ ہو، یقین نہ ہو اور کوئی گواہ بھی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں دونوں کا نکاح آپس میں جائز ہے۔

فقہا کے نزدیک عورت کے معاملہ میں اصل حرمت اور ممانعت ہے، لیکن حلت کے

ثبوت میں وہ ایک گواہ کو کافی قرار دیتے ہیں۔

ان البضع وان کان الاصل فیہ الحظر یقبل فی حلہ خبر الواحد[1]

اصل ممانعت ہے لیکن ایک شخص کی خبر سے حلت ثابت ہو جائے گی۔

حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں

(۲۶) الحدود تندری بالشبہات

حدیں (مقررہ سزائیں) شبہہ کی وجہ ختم ہو جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادرؤا الحدود والقتل عن عباد اللہ ما استطعتم[2]

مقررہ سزاؤں اور قتل سے جہاں تک ہو سکے اللہ کے بندوں کو بچاؤ۔

ایک اور روایت میں ہے:

ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجاً فخلوا سبیلہ فان الامام لان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبۃ[3]

جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو مقررہ سزاؤں سے بچاؤ اگر گنجایش نکل سکتی ہے (یعنی پورا ثبوت نہیں ملتا تو چھوڑ دو) اس لیے کہ حاکم کا معافی میں غلطی کر کے اللہ کے دربار میں حاضر ہونا، سزا میں غلطی کر کے حاضر ہونے سے کہیں بہتر ہے۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کا محل وہی صورتیں ہیں جن میں جرم کے ثبوت میں شبہہ پایا جائے پھر "حدود" شریعت میں ایک اصطلاحی لفظ ہے جو انھیں سزاؤں کے لیے مخصوص ہے جن کی مقدار شارع کی جانب سے مقرر ہے۔

---

[1] الاشباہ والنظائر ص ۵۴ [2] طبرانی [3] ترمذی

ورنہ جن صورتوں میں شبہہ کی گنجائش نہ ہوگی اور قاعدہ کے مطابق ثبوت ہوگا وہ سزائیں حدود سے نیچے درجہ (تعزیر) کے ذیل میں آنے والی ہوں گی وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ اور مذکورۂ بالا حدیثوں میں داخل نہ ہوں گی، بسا اوقات امن و امان برقرار رکھنے یا اور کسی مفاد مصلحتِ عامہ کے پیش نظر تنبیہ و سرزنش کے طور پر معمولی قسم کی سزائیں دینے پر حکومت مجبور ہوتی ہے، اگر انھیں بھی مذکورۂ بالا کلیہ میں داخل کیا جائے گا تو نظام درہم برہم ہو جائیگا اور نظم و نسق قائم رکھنا دشوار ہو جائے گا، اور اخلاق و کردار پر مواخذہ کی کوئی شکل نہ باقی رہے گی، اس بنا پر احتیاط کے باوجود اس میں وسعت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

فقہاء نے شبہہ کی یہ تعریف کی ہے:

شبہہ کی تعریف اور اسکی قسمیں	والشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت	شبہہ وہ ہے جو ثابت کے مشابہ ہو لیکن حقیقۃً ثابت نہ ہو۔

شبہہ کی دو قسمیں ہیں:- (۱) شبہہ فعل اور (۲) شبہہ محل

(۱) شبہہ فعل ان صورتوں میں پایا جاتا ہے جن میں حلت اور حرمت کے بارے میں شبہہ ہو، مثلاً مطلقہ یا مخلوعہ عورت کے پاس یہ جان کر گیا کہ عدت میں اس کے ساتھ جماع حلال ہے، تو ایسی صورت میں بدکاری کی مقررہ سزا نہ دیجائے گی،

(۲) شبہہ محل کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے بیوی کو کنایہ و اشارہ سے طلاق دی اور طلاق ہوگئی، لیکن شوہر یہ سمجھکر کہ طلاق نہیں ہوئی اور بیوی مجھ پر حرام نہیں ہوئی ہے، اس کے پاس گیا تو اس میں بھی مقررہ سزا نہ دیجائے گی۔

(۳) ایک صورت شبہہ عقد کی بھی ہے کہ کسی عورت سے نکاح کیا لیکن شرعی حیثیت سے نکاح منعقد نہیں ہوا، مثلاً گواہ نہ تھے یا وہ عورت اس کے لیے حلال نہ تھی تو ایسی صورت میں

اگر نکاح کرنے والا اس یقین کی بنا پر کہ عورت اس کے لیے حلال ہوگئی ہے اور نکاح درست ہوگیا ہے تو بھی مقررہ سزا نہ دیجائے گی، اور اگر حرام سمجھنے کے باوجود ایسا کرتا ہے تو سزا دیجائے گی،

چونکہ "حدود" شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اس بنا پر ان کے ثبوت کے لیے شریعت نے ایسا اونچا معیار مقرر کیا ہے جو یقین کا فائدہ دے سکے، چنانچہ عورتوں کی شہادت اس معاملہ میں قابل قبول نہیں ہے، ایک حاکم کی تحریر دوسرے کے لیے حجت نہیں ہے، گواہی در گواہی کی صورت بھی جائز نہیں ہے، اور شریعت نے جو معیار مقرر کر دیا ہے ثبوت کے لیے اس کی پابندی ضروری ہے،

قصاص (جان کے بدلہ جان) کا معاملہ حدود جیسا ہے،

فقہاء کہتے ہیں:-

قصاص بھی شبہہ سے ساقط ہو جاتا ہے	(۲۷) القصاص كالحدود في الدفع بالشبهة فلا يثبت الا بما تثبت به الحدود[1]	قصاص حدود کے مثل ہے جس طرح وہ شبہہ سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اس کا ثبوت بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح حدود کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱) مثلاً کسی شخص کو سوتے میں قتل کر دیا گیا اور قاتل نے کہا کہ مردہ ہونے کی حالت میں اس کو ذبح کیا ہے تو قصاص نہ ہوگا، بلکہ "دیت" خون کی قیمت ورثاء کو دینی پڑے گی،

(۲) قصاص کا حکم سننے کے بعد قاتل پاگل ہو گیا تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ خون کی قیمت ہی دینی ہوگی (۳) کسی نے کسی سے کہا کہ تو مجھے قتل کر دے اور اس نے قتل کر دیا تو

[1] الاشباہ والنظائر ص ۹۳

اس صورت میں بھی قصاص واجب ہوگا، لیکن قاتل مجرم قرار پائے گا۔

فقہا نے سات مسائل میں قصاص کو حدود کی طرح نہیں تسلیم کیا ہے،

(۱) مثلاً حدود معاف نہیں کیجا سکتیں، بلکہ ثبوت کے بعد حد کا اجرا، ضروری ہوگا، البتہ اگر قصاص میں خود مقتول کے ورثا، معاف کردیں تو یہ معافی درست ہوگی۔

(۲) حکومت اپنے علم کی بنا پر قصاص کا فیصلہ تو کرسکتی ہے، لیکن حدود کا فیصلہ اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) حدود میں وراثت نہیں چلتی کہ ورثا، دعوی دار بنکر حد جاری کرائیں، لیکن قصاص کے دعویدار ورثہ ہی ہوتے ہیں، کیونکہ مقتول موجود نہیں ہوتا،

(۴) قتل کا معاملہ زیادہ مدت گذر جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا، لیکن حدود میں معاملہ پرانا ہونے سے ختم ہوجاتا ہے، مگر حد قذف (تہمت لگانے کی سزا) کا مطالبہ مدت گذرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

(۵) قصاص گونگے کے اشارہ اور لکھدینے سے ثابت ہوجاتا ہے، حدود اس طرح نہیں ثابت ہوتے۔

(۶) حدود میں کسی قسم کی سفارش نہیں قبول کیجاتی لیکن قصاص میں ورثا، اگر معاف کردیں تو معاف ہوجائے گا۔

(۷) حدود (تہمت کی سزا کے علاوہ) کا معاملہ دعویٰ پر موقوف نہیں ہے، قصاص دعویٰ پر موقوف ہے۔

تعزیر شبہ سے نہیں ساقط ہوتی	(۲۸) التعزیر یثبت مع الشبهة	تعزیر شبہ کے ساتھ ثابت ہوجاتی ہے

وہ سزائیں جو نظم ونسق قائم رکھنے کے لیے سیاستہً دی جاتی ہیں یا اخلاق وکردار درست کرنے کے لیے اصلاحاً دیجاتی ہیں، ان کی مقدار حدود سے کم ہوتی ہیں، وہ سب تعزیر میں داخل ہوں گی، ان کے ثبوت کے لیے فقہا یہ اصول مانتے ہیں،

یثبت بما یثبت به المال	جن طریقوں سے مال کا ثبوت ہوتا ہے ان ہی طریقوں سے تعزیر کا ثبوت بھی ہوگا۔

پھر آگے کہتے ہیں:

والکفارات تثبت معها ایضاً	کفارے بھی شبہ کے ساتھ ثابت ہوجاتے ہیں،

البتہ رمضان کے روزوں کا کفارہ اس اصول سے مستثنیٰ ہے کہ وہ شبہ کی بنا پر ساقط ہوجاتا ہے، جس طرح نسیان اور خطا سے ساقط ہوجاتا ہے،

جب ایک جنس کے دو معاملوں کا مقصود ایک ہو تو ایک دوسرے میں داخل ہوجائیگا	(۲۹) اذا اجتمع امران من جنس واحد ولم یختلف مقصودهما دخل احدهما فی الآخر غالبا	جب دو معاملہ ایک ہی جنس کے جمع ہوجائیں اور مقصود دونوں کا ایک ہو تو اکثر ایک کو دوسرے میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

(۱) غسل کو واجب کرنے والی دو چیزیں پائی جائیں تو ایک غسل کافی ہوگا۔

(۲) مسجد میں داخل ہونے کے بعد سنت موکدہ اور فرض جو بھی پڑھے گا تحیۃ المسجد کی نماز اس میں داخل ہوگی،

(۳) نماز میں کئی مرتبہ سہو ہوگیا جس سے سجدۂ سہو واجب لازم آتا ہے تو ایک مرتبہ سجدۂ سہو کرلینا سب کے لیے کافی ہوگا،

(۴) ایک ہی حرام کا کئی مرتبہ ارتکاب کیا تو ایک حد سب کے لیے کافی ہوگی، البتہ

اگر حد جاری ہونے کے بعد دوبارہ پھر اسی جرم کا ارتکاب کیا تو دوبارہ حد جاری ہوگی،

(۵) مختلف قسم کے جرم کیے تو ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ حد جاری کیجائیگی کیونکہ جنس بدل گئی ہے،

(۶) کسی عورت کے پاس گیا اور پھر اس کو قتل کر دیا تو بدکاری کی حد جاری ہوگی اور قتل کی وجہ سے (دیت) خون کی قیمت دینی پڑے گی۔

فائدہ ضمان کے بدلہ ہے | (۳۰) الخراج بالضمان — فائدہ ضمان کے بدلہ ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی ہے، جو مختلف طرق سے مروی ہے[1]، "خراج" کی تعریف یہ ہے:

کل ماخرج من شیٔ فھو خراجہ	ہر وہ فائدہ جو کسی شے سے حاصل ہو وہ
فخراج الشجر ثمرھا وخراج الحیوان	اس کا خراج (فائدہ) ہے، درخت کا خراج
درہ ونسلہ[2]	اسکا پھل ہے، جانوروں کا خراج دودھ اور نسل ہے وغیرہ،

مطلب یہ ہے کہ منافع کا مستحق وہ ہوگا جو شی کا ضامن اور مالک ہوگا، اسکی صورت یہ ہے کہ مثلاً خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہونے کے بعد خریدار نے مبیع (خریدی ہوئی شے) پر قبضہ کر لیا اور اس کے ذریعہ کچھ آمدنی بھی ہوگئی یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوا پھر کسی سابقہ عیب کی وجہ سے وہ شے واپس کرنی پڑی تو اس فائدہ اور آمدنی کا مالک خریدار ہوگا، کیونکہ جس وقت یہ نفع حاصل ہوا ہے وہ شے کا مالک تھا، اور شی اس کے ضمان میں تھی، البتہ اس نفع کے لیے یہ ضروری ہے کہ اصل شے سے جدا ہو اور اس سے پیدا نہ ہوا ہو (جیسا کہ حمل کی صورت میں بچہ پیدا ہو) ورنہ اصل قیمت میں داخل قرار پائے گا اور شی کی واپسی کے ساتھ اس نفع کا واپس کرنا بھی ضروری ہوگا۔

---

[1] ابوداؤد، ترمذی وغیرہ [2] الاشباہ ص ۱۱۰

امام ربیع بن صَبیح بصری ہندی

از جناب قاضی اطہر صاحب مبارک پوری اڈیٹر "البلاغ" بمبئی

حضرت امام حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ رحمۃ اللہ علیہ کے دو بصری شاگردوں کو ہندوستان سے خصوصی تعلق تھا، اور ان کے واسطہ سے آپ کے فیوض و برکات اس ملک میں پھیلے ہیں، ان میں سے ایک حضرت ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری ہندی صاحب الحسن محدث، اور دوسرے حضرت ابو حفص ربیع بن صبیح بصری ہندی فقیہ ہیں،

اول الذکر کئی بار ہندوستان آئے اور گئے، اس لیے وہ بصری کے ساتھ ہندی یا نزیل الہند کہلائے اور دوسرے صاحب ایک جہاد میں آئے اور یہیں فوت ہوئے۔

امام حسن بصری کے ان دونوں تلامذہ کا ہندوستان سے خصوصی تعلق رکھنا اس خاص ذہن کی بنیاد پر تھا، جسے حضرت امام حسن بصری نے ہندوستان کے بارے میں ان کے اندر پیدا فرمایا تھا، اس سلسلہ میں امام حسن بصری کے وطن بصرہ اور ان کی زندگی کے بعض حالات پر توجہ ضروری ہے،

آپ کا آبائی وطن عراق کے ایک مقام میسان معمولی سا شہر تھا، جو بصرہ کے نشیبی علاقہ میں واقع تھا، سمعانی نے میسان کے بارے میں لکھا ہے:

ھی بلیدۃ باسفل البصرۃ[1]	میسان بصرہ کے نشیبی علاقہ میں ایک چھوٹا سا شہر ہے

آپ کے والد یسار وہیں سے گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے، اور آپ کی پیدائش

---

[1] کتاب الانساب ورق

عہد فاروقی میں یہیں اور نشو ونما وادی القریٰ میں ہوئی مگر بصرہ کو مستقل مسکن بنایا،

بصرہ عراق کا وہی مقام ہے جو پہلے ارض الہند کے نام سے مشہور تھا، یہاں کی قریبی بندرگاہ ابلہ میں عمان، بحرین، فارس، ہندوستان اور چین کی تجارتی کشتیاں اور جہاز آکر ٹھہرتے تھے۔

۱۴ھ میں حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہ بن غزوانؓ کو ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے عراق کے اس علاقہ میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تو فرمایا:

یا عتبۃ انی استعملتک علی	اے عتبہ! میں نے تم کو ارض الہند کا امیر
ارض الہند وھی حومۃ من	بنایا ہے، یہ مقام ہمارے دشمن ایرانیوں
حومۃ العدو[1]	کی بہت بڑی جولان گاہ ہے۔

عتبہ نے اس علاقہ میں پہنچکر ایرانیوں سے مقابلہ کیا اور جب ابلہ جو بصرہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا، فتح ہوا تو عتبہ نے حضرت عمرؓ کو لکھا

اما بعد فان اللہ ولہ الحمد	الحمد للہ کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی یہاں
فتح علینا الاُبلۃ وھی مرفأ	پر بحری کشتیاں عمان، بحرین، فارس،
لسفن البحر من عمان والبحرین	ہندوستان اور چین سے آکر
وفارس والھند والصین[2]	ٹھہرتی ہیں۔

پھر اس کے پاس عتبہ نے بصرہ آباد کرکے ارض الہند کو تاریخ کے ایک دور میں داخل کیا، اور قبۃ الاسلام بصرہ اور ہندوستان میں وہ دینی، علمی، فکری، اور ثقافتی تعلق پیدا ہوا جس کے مقابلہ میں دور جاہلیت اور اسلام سے پہلے کے تمام تجارتی اور معاشی تعلقات ہیچ ہوگئے، اور ارض الہند کے آس پاس ابلہ اور میسان وغیرہ میں ہندوستان کی جو روایات بکھری ہوئی تھیں

[1] الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۶ [2] الاخبار الطوال ص ۱۱۷

وہ سمٹ سمٹا کر بصرہ میں آگئیں، بصرہ کی مرکزیت اور ہندوستان سے اس کے قدیم وجدید تعلقات کی اہمیت کی وجہ سے حضرت امام حسن بصری اور ان کے دونوں تلامذہ اسرائیل بن موسیٰ بصری اور ربیع بن صبیح بصری کو سرزمین ہند سے ایک خاص قسم کا علمی اور دینی ربط پیدا ہوگیا، اور امام حسن بصری ۳۰ھ سے ڈھائی سال تک سجستان کے شہر زرنگ میں ربیع بن زیاد حارثی کے میر منشی رہے، یہ مقام جو آجکل افغانستان میں واقع ہے، سیاسی و تہذیبی لحاظ سے سندھ سے علاقہ رکھتا تھا، زرنگ میں امام حسن بصری کے زمانۂ قیام میں کابل فتح ہوا، اور آپ نے بھی اس سلسلے میں پوری دلچسپی ظاہر فرمائی، اس جنگ میں عباد بن حصین حنظلی نے بڑی بہادری دکھائی تھی، امام حسن بصری نے ان کے کارناموں کو دیکھکر فرمایا تھا،

ما ظننت رجلا یقوم مقام	جب میں نے عباد بن حصین کے بہادرانہ کارناموں
الف حتی رأیت عباد بن	کو دیکھا اس وقت یقین ہوا کہ ایک آدمی
حصین[1]	ایک ہزار آدمیوں کے قائم مقام ہوسکتا ہے۔

یہی عباد بن حصین ہیں جن کے نام پر بعد میں عبادان آباد ہوا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے،

امام حسن بصری علم و زہد اور تقویٰ و خدا ترسی کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مجاہد تھے اور اپنے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے، ان کی اس خاص صفت کا اعتراف ان کے دور کے بڑے بڑے فوجی افسروں کو بھی تھا، آپ کا جسم بھی بھاری بھرکم تھا، اور آپ صحیح معنوں میں ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بسطۃً فی العلم والجسم کا وصف بیان فرمایا ہے،

اصمعی نے اپنے والد کا قول نقل کیا ہے:

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۸۸

ما رأیتُ اعرض زندا من حسن	حسن سے زیادہ چوڑی کلائی کا آدمی میں نے نہیں دیکھا،
کان عرضہ شبراً[1]	ان کی کلائی کی چوڑائی ایک بالشت تھی،

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے

وکان من الشجعان قال جعفر	آپ بہادروں میں سے تھے، جعفر بن سلیمان کا
بن سلیمان کان المھلب یقدمہ	بیان ہے کہ مہلب بن ابی صفرہ آپ کو لڑائیوں
یعنی فی الحروب[2]	میں ہمیشہ آگے رکھا کرتا تھا،

ہوش سنبھالنے کے بعد آپ نے علم و عمل کی زندگی میں مجاہدانہ سرگرمیاں پورے طور پر جاری کرکے کتاب و سنت کی بزم کے ساتھ ساتھ تیغ و سنان کی رزم بھی زندہ رکھی،

ذہبی کا بیان ہے:

ثم کبر و لازم الجھاد، ولازم	ہوش سنبھالنے کے بعد آپ جہاد میں لگے رہے،
العلم والعمل، وکان احد	ساتھ ہی علم و عمل میں مصروف رہے، آپ مشہور بہادروں
الشجعان الموصوفین یذکر	میں شمار ہوتے تھے اور قطری بن فجاءہ خارجی کی طرح
مع قطری ابن الفجاءۃ[3]	بہادر مانے جاتے تھے،

قطری بن فجاءہ خارجی مشہور بہادر گزرا ہے، حضرت مصعب بن زبیرؓ کے زمانہ میں اس نے خروج کیا اور بیس سال تک لڑتا رہا، حجاج بن یوسف نے اس کے مقابلہ کے لیے یکے بعد دیگرے فوجی مہم روانہ کی،

ان تصریحات سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت امام حسن بصری نے ہوش سنبھالنے کے بعد علوم اسلامیہ میں انہماک کے ساتھ ساتھ جنگی اور سیاسی امور میں بھی حصہ لیا اور مجاہدانہ کارناموں

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۳۹ [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۷۰ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۷

میں اپنے معاصرین میں نام آوری حاصل کی، اس لیے امام صاحب کے تلامذہ میں بھی ان کی زندگی کا یہ رنگ نمایاں رہا ہوگا اور انھوں نے بھی اسلامی علوم کی خدمت و اشاعت کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے غزوات میں بھی حصہ لیا ہوگا جن میں حضرت امام ربیع بن صبیح بصری بہت مشہور ہیں، وہ علم و عمل، زہد و تقویٰ، ذکر و فکر اور جہاد و غزوات وغیرہ میں اسلاف کا نمونہ تھے،

نام، نسب اور ابتدائی حالات آپ کا نام ربیع اور والد کا نام صبیح اور کنیت ابوحفص اور ابوبکر ہے، مگر ابوحفص زیادہ مشہور ہے، قبیلۂ بنو سعد بن تمیم کے آزاد کردہ غلام ہیں، اس لیے سعدی کی نسبت سے مشہور ہوئے، بعض نے بنو سعد بن زید بن مناۃ بتایا ہے، آپ کا اصلی وطن بصرہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، ابوحفص یا ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری رحمۃ اللہ علیہ،

آپ نے دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جس میں اسلام ہر اعتبار سے ترقی پذیر تھا، سندھ سے لیکر مغرب اقصیٰ تک مجاہدین اسلام کے قافلے رواں دواں تھے، ہر طرف اسلامی شان و شوکت اور فتح و نصرت کا پھریرا لہرا رہا تھا، پورا عالم اسلام دینی علوم و فنون کے اساتذہ و تلامذہ سے معمور تھا، اور آپ کا وطن قبۃ الاسلام بصرہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز بنا ہوا تھا، اس ماحول کی برکتوں سے آپ بھی پوری طرح فیضیاب ہوئے، اور اس دور کے جلیل القدر علماء سے علم حاصل فرمایا، اور اس زمانہ کی سب سے بڑی شخصیت حضرت امام حسن بصری کے اسوہ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا، آپ کے شیوخ و اساتذہ میں حسب ذیل حضرات شامل ہیں،

امام حسن بصری، عطاء بن ابی رباح مکی، یزید رقاشی، قیس بن سعد[1] اور حمید الطویل، ابوالزبیر، ابوغالب صاحب ابی اُمامہ، ثابت البنانی، مجاہد بن جبر وغیرہ رحمہم اللہ[2]

آپ کے تلامذہ کی فہرست میں یہ نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ثانی ص ۴۶۴ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷

سفیان ثوری، عبد الرحمن بن مہدی، ابو نعیم، ابو الولید[1] اور عبد اللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، ابو داؤد طیالسی، ابو الولید طیالسی، آدم بن ابی ایاس، عاصم بن علی[2]، اور ابو سلیمان دمشقی دارانی وغیرہ رحمہم اللہ

اساتذہ وتلامذہ کی اس فہرست میں اس دور کے ہر علم وفن کے ائمہ موجود ہیں، محدث فقیہ، جرح وتعدیل کے امام، عباد وزہاد، اور غازی ومجاہد سب ہی امام ربیع بن صبیح بصری کے استادوں اور شاگردوں میں شامل ہیں، اس سے آپ کی جامعیت وکمال کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے،

علمی اوصاف وکمالات

امام ربیع بن صبیح بصری کے مناقب وفضائل کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ تبع تابعین کے زمرے میں بڑی نمایاں شخصیت رکھتے تھے، علامہ بلاذری نے آپ کے نام کے ساتھ الفقیہ کا خطاب استعمال اور آپ کا شمار فقہائے محدثین میں کیا ہے[3]،

امام ابن شاہین نے کتاب اسماء الثقات میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور علمائے جرح و تعدیل کے اقوال سے ان کی ثقاہت ثابت کی ہے،

الربیع بن صبیح قال یحیی ثقۃ	ربیع بن صبیح کے بارے میں یحیی بن معین نے
وقال مرۃ اخری ضعیف	ایک موقع پر ثقہ اور دوسرے موقع پر ضعیف
وقال فیہ لا باس بہ رجل صالح	کہا ہے اور ساتھ ہی کہا کہ وہ صالح آدمی تھے، ان سے حدیث کی روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

امام جرح والتعدیل ابن مہدی آپ کے شاگردوں میں ہیں، اور آپ سے روایت کرتے ہیں، ابو حفص عمر بن علی کا قول ہے

۱؎ کتاب الجرح والتعدیل ص ۴۶۴ ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸ ۳؎ فتوح البلدان ص ۳۶۲ ۴؎ تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین قلمی باب الراء

کان عبد الرحمن بن مہدی یحدث عن الربیع بن صبیح	عبد الرحمن بن مہدی ربیع بن صبیح سے حدیث کی روایت کیا کرتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے ربیع بن صبیح کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:

لاباس بہ رجل صالح	ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں وہ نیک آدمی تھے۔

امام ابوزرعہ سے آپ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

شیخ صالح صدوق	ربیع شیخ صالح اور صدوق ہیں،

عبد الرحمن اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں:

الربیع بن صبیح رجل صالح[1]	ربیع بن صبیح صالح آدمی ہیں۔

ابو الولید طیالسی کا قول ہے

ما تکلم احد فیہ الا والربیع	جو لوگ ربیع کے بارے میں کلام کرنے والے ہیں
فوقہ	ربیع ان سب سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں

عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے ربیع بن صبیح کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

لیس بہ بأس	ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

یہ جملہ کہکر گویا ابن معین نے ربیع بن صبیح کے بارے میں مبالغہ نہیں کیا اور ان کے ثقہ ہونے کے لیے مناسب الفاظ نہیں استعمال کیے، اس پر میں نے ابن معین سے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک ربیع زیادہ پسندیدہ ہیں یا مبارک بن فضالہ؟ تو جواب دیا کہ ان دونوں میں بہت زیادہ قربت ہے

۱؎ ان اقوال کے لیے کتاب الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم ج ۱ ق ۲ ص ۴۶۴ و ۴۶۵ ملاحظہ ہو۔

اور دونوں ایک ہی سطح کے ہیں۔ میں نے کہا کہ مبارک میرے نزدیک ان احادیث کے بارے میں جن کو انھوں نے امام حسن بصری سے سنا ہے، ربیع زیادہ بلند مرتبہ ہیں، البتہ مبارک بسا اوقات تدلیس سے کام لیتے ہیں،

ابو حاتم کا قول ہے:

رجل صالح، والمبارک احب الی منہ	ربیع صالح آدمی ہیں، البتہ میرے نزدیک ان کے مقابلہ میں مبارک بن فضالہ زیادہ بہتر ہیں،

امام شعبہ کا قول ہے

الربیع من سادات المسلمین	ربیع مسلمانوں کے پیشواؤں میں سے ہیں،

امام ابن عدی کا بیان ہے:

لہ احادیث صالحۃ مستقیمۃ ولم أر لہ حدیثا منکرا وارجو انہ لا باس بہ ولا بروایاتہ	ربیع کی حدیثیں صالح اور مستقیم ہیں اور میں نے ان کے پاس کوئی منکر حدیث نہیں پائی، مجھے توقع ہے کہ ان کے یا انکی روایات کے اندر کوئی مضائقہ نہیں ہے،

امام عقیلی نے کہا ہے:

بصری سید من سادات المسلمین	ربیع بصرہ کے رہنے والے ہیں مگر مسلمانوں کے پیشواؤں میں سے ایک پیشوا ہیں،

عجلی کا قول ہے

لا بأس بہ[1]	ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

جرح اور اسکے اسباب | حضرت امام ربیع بن صبیح کی ثقاہت وعدالت اور انکی جلالت شان

[1] ان تمام اقوال کے لیے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷ ملاحظہ ہو۔

پر ائمۂ دین کی یہ شہادتیں کافی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سے احادیث کے اعاظم رجال نے روایت کی، مگر ان کی بعد کی زندگی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہد وتقویٰ اور جہاد وغزوہ میں اس طرح ختم ہو گئی کہ محدثین کے اصول روایت و درایت اور جرح وتعدیل کی رو سے بہت سے علما کو ان کے بارے میں کلام کرنے کی گنجایش مل گئی، چنانچہ ائمہ جرح وتعدیل نے امام ربیع کا پورا احترام کرتے ہوئے ان کے بارے میں جرح کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، اور حدیث رسول کی حفاظت ودیانت کے لیے ان کے بارے میں تعدیل کے ساتھ جرح کا حق ادا کیا ہے،

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

کان الربیع بن صبیح رجلا غزاء، واذا مدح الرجل بغیر صناعتہ فقد وهض یعنی دق[1]	ربیع بن صبیح بہت بڑے غازی ومجاہد فرد تھے، اور جب فن حدیث سے غیر متعلق شخص کی تعریف وتوصیف کرتے تو اسے ختم ہی کر دیتے تھے،

ابن ابی شیبہ نے ابن المدینی کا قول نقل کیا ہے

ہو عندنا صالح ولیس بالقوی	ربیع ہمارے نزدیک صالح ہونے کے باوجود حدیث کی روایت کے معاملہ میں قوی نہیں ہیں،

ساجی کا قول ہے

ضعیف الحدیث احسبہ کان یہم وکان عبدا صالحا	ربیع حدیث میں ضعیف ہیں، میرے خیال میں وہ وہم کرتے تھے، اسکے باوجود وہ اللہ کے نیک بندے تھے،

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ ص ۴۶۵

ابن حبان کا بیان ہے:

کان من عباد اهل البصرة وزهادهم وکان یشبه بیته باللیل ببیت النحل من کثرة التهجد الا ان الحدیث لم یکن من صناعته فکان یهم فیما یروی کثیراً حتی وقع فی حدیثه المناکیر من حیث لا یشعر لا یعجبنی الاحتجاج به اذا انفرد

ربیع اہل بصرہ کے عباد و زہاد میں تھے، تہجد کی کثرت کی وجہ سے رات کو ان کا مکان شہد کی کھیوں کا چھتہ معلوم ہوتا تھا یعنی تلاوت و قرأت سے گونجتا تھا، مگر حدیث ان کا فن نہیں تھا، اپنی بہت سی روایات میں وہ وہم میں مبتلا ہو جاتے تھے، یہانتک کہ انکی مرویات میں بہت سی منکر حدیثیں بھی آگئی ہیں اور ان کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا، جس حدیث کے وہ تنہا راوی ہوں تو اس سے احتجاج و استدلال صحیح نہیں ہے۔

خالد بن خداش کا بیان ہے

هو فی هدیه رجل صالح ولیس عنده حدیث یحتاج الیه کان خالد اضعفه امره[1]

ربیع اپنی سیرت و کردار میں صالح آدمی ہیں، ان کے یہاں کوئی ایسی حدیث تھی ہی نہیں جو دوسرے کے پاس نہ ہو اور انکی روایت کے لیے انکی ضرورت ہو ہوتا، خالد نے ان کی حیثیت کو کم کر دیا۔

امام ربیع کے بارے میں کلام کرنے کے اسباب و وجوہ حسب ذیل معلوم ہوتے ہیں

ربیع پر زہد و عبادت اور جہاد و مرابطت کا وصف غالب آگیا تھا، اور وہ خوش فہمی اور نیک طبعی کی بنا پر رواۃ حدیث کے بارے میں مبالغہ آمیز رائے ظاہر کرنے لگے تھے، اس لیے علم حدیث میں ان کی روایات معیاری نہیں رہیں، اور ائمۂ جرح و تعدیل نے ان کا پورا احترام کرتے ہوئے ان پر تنقید کی،

عفان نے کہا ہے:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷ و ص ۲۴۸

حدیث الربیع بن صبیح کلها مقلوبة[1]

ربیع بن صبیح کی تمام احادیث میں قلب واقع ہے۔

امام احمد کے صاحبزادے عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے مبارک بن فضالہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا:

ضعیف الحدیث مثل الربیع بن صبیح فی الضعف

مبارک بن فضالہ حدیث میں ضعیف ہیں، وہ ضعف میں ربیع بن صبیح جیسے ہیں،

یعقوب بن شیبہ کا قول ہے:-

رجل صالح صدوق، ثقة

ربیع صالح، صدوق، ثقہ ہونے کے ساتھ

ضعیف جدا

بہت زیادہ ضعیف ہیں،

فلاس کا قول ہے:-

لیس بالقوی

ربیع قوی نہیں ہیں

حاکم کا قول ہے:-

لیس بالمتین عندهم

محدثین کے نزدیک ربیع متین نہیں ہیں۔

اسی طرح ابن سعد اور نسائی نے بھی ربیع بن صبیح کو ضعیف کہا ہے،[2]

امام ربیع بن صبیح بصری کے بارے میں ائمۂ حدیث کے ان تمام اقوال اور جرح و تعدیل کے الفاظ میں حزم و احتیاط اور ان کے ادب و احترام کی جو روح پائی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں ضعف، تدلیس، وہم، قلب وغیرہ کے بیانات ان کی ثقاہت و صداقت اور عدالت و صلاحیت تسلیم کرنے کے بعد ہیں، اور ان کا تعلق امام ربیع کے خاص حالات و واقعات سے ہے،

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۲ ص ۴۶۵ [2] ان تمام اقوال کے لیے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷ و ۲۴۸ ملاحظہ ہو

بصرہ میں حدیث کے پہلے مصنف دوسری صدی ہجری کے وسط میں ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان تمام عالم اسلام میں علم حدیث پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں اور ہر جگہ کے ائمہ حدیث نے اپنے یہاں کی حدیثوں کو کتابی شکل میں مرتب کیا، امام ربیع بن صبیح بصری نے بھی بصرہ کے عالموں میں سب سے پہلے علم حدیث میں کتاب تصنیف فرمائی،[1]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

ذکر الرامهرمزی فی الفاصل	رامہرمزی نے لکھا ہے کہ ربیع بصرہ کے سب سے
انه اول من صنف بالبصرة[2]	پہلے مصنف ہیں،

صاحب کشف الظنون نے حدیث کی تدوین وتالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب عبد الملک بن جریج اور امام مالک بن انس وغیرہ ائمۂ حدیث کا زمانہ آیا تو انھوں نے حدیث کو باقاعدہ مدون کیا، ایک قول کے مطابق اسلام میں سب سے پہلی تصنیف کتاب ابن جریج ہے اور ایک قول کے مطابق یہ امتیاز موطا امام مالک کو حاصل ہے، اس کے بعد چلپی لکھتے ہیں:

وقیل ان اول صنف وبوب	یہ بھی کہا گیا ہے سب سے پہلے احادیث کی تدوین اور
الربیع بن صبیح بالبصرۃ ثم	فقہی ابواب پر انکی ترتیب کا کام ربیع بن صبیح نے
انتشر جمع الحدیث وتدوینه	بصرہ میں کیا، اسکے بعد حدیث کی جمع وتدوین اور
وتسطیرہ فی الاجزاء والکتب[3]	اجزا اور کتابوں میں لکھنے کا رواج عام ہوگیا،

اس قول میں حضرت ربیع کو سب سے پہلا مصنف حدیث قرار دینے کے ساتھ ان کے تفقہ کو بھی بیان کیا گیا ہے، اور فقہی ترتیب پر احادیث کو مرتب کرنے میں آپ کی اولیت ظاہر کی گئی ہے، شاید اسی خصوصیت کی وجہ سے بعض مورخین نے آپ کو فقیہ کے لقب سے یاد کیا ہے،

[1] مقدمہ فتح الباری [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸ [3] کشف الظنون ج ۱ ص ۴۲۳

زہد وتقویٰ اور عبادت امام ربیع نے اپنے شیخ حضرت حسن بصری کی طرح ابتدا میں دینی علوم اور حدیث میں بڑی شہرت حاصل کی، مگر بعد میں محدث وفقیہ سے زیادہ عابد وزاہد اور غازی ومجاہد کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اور اپنی ان عملی سرگرمیوں کا مرکز عبادان کو بنایا جو اس زمانہ میں اہل اللہ کا سب سے بڑا مرکز تھا، عبادان کی تفصیل بعد میں آرہی ہے،

امام ابن جوزیؒ نے صفۃ الصفوہ میں "عُبّادِ عبادان" کے ذیل میں "عابد من بنی سعد" کا تذکرہ کیا ہے، مگر اس عابد کا نام نہیں لیا ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عابد حضرت ربیع بن صبیح بصری مولی بنی سعد ہی ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنی سعد کے کوئی دوسرے بزرگ ہوں، لیکن آپ نے عبادان کو زہد ومجاہدہ اور مرابطت کا مرکز بنایا تھا، اور آپ کا تعلق بنی سعد سے تھا، اس لئے قرین قیاس ہے کہ اس واقعہ کا تعلق آپ ہی سے ہو، ابو عاصم عبادانی بصری بہت بڑے محدث ہیں، اور عبادان میں قیام کرتے تھے،[1] ان کا بیان ہے،

کان رجل من بنی سعد یقدم علینا	عبادان جس وقت آباد کیا گیا، تو وبائی امراض
فی اول ما اتخذت عبادان وکانت	وہاں بہت زیادہ تھے، اس ابتدائی زمانہ میں
اذ ذاك دبیة	ہمارے پاس عبادان میں بنی سعد کا ایک آدمی آیا کرتا تھا،

اس کے بعد پورا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بنی سعد کا یہ آدمی رات دن مسلسل نمازیں پڑھتا تھا، جب رات کا پچھلا پہر ہو جاتا تو دونوں گھٹنے اٹھا کر (احتباء) اور سمندر کی طرف منہ کرکے بیٹھ جاتا اور اپنے حال پر نوحہ وبکا شروع کر دیتا، اور جب کسی انسان کی آہٹ محسوس کرتا تو خاموش ہو جاتا، ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں ساحل کی طرف گذرا تو میں نے اس کے رونے کی آواز سنی، وہ رو رو کر یہ اشعار پڑھ رہا تھا،

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۰

الا یا عین ویحک اسعدینی — بطول الدمع فی ظلم اللیالی

خبردار اے آنکھ، راتوں کی ظلمتوں میں آنسوؤں کی کثرت سے تو مجھے خوش بخت بنا دے۔

لعلک فی القیامۃ ان تفوزی — بخیر الدھر فی تلک العلالی

شاید ان ہی آنسوؤں کی وجہ سے قیامت میں تو اچھے حالات کی مستحق ٹھہرے۔

جب اس نے میری آہٹ سنی تو خاموش ہوگیا، اور میں اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر واپس چلا آیا۔[1]

اگر یہ بزرگ ربیع بن صبیح سعدی بصری ہیں تو اس سے ان کے عبادان سے ابتدائی تعلق اور زہد و عبادت کی شروع زندگی کا حال معلوم ہوجاتا ہے،

ابن حبان کی یہ شہادت ان کے بارے میں گذر چکی ہے،

کان من عباد اہل البصرۃ و	ربیع اہل بصرہ کے عباد و زہاد میں سے تھے،
زھادھم وکان یشبہ بیتہ	تہجد کی کثرت سے راتوں میں ان کے مکان سے اس طرح
ببیت النحل من کثرۃ التھجد الخ	آواز آتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کا چھتہ گونج رہا ہے۔

عقیلی کا بیان ہے

بصری سید من سادات المسلمین	ربیع بصرے کے رہنے والے ہیں اور تمام مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔

شعبہ کا بیان ہے،

الربیع من سادات المسلمین	ربیع مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور یعقوب بن شیبہ اور ابو حاتم نے ان کو "رجل صالح" کہا ہے، خالد بن خداش نے کہا ہے

ھو فی ھدیہ رجل صالح	ربیع اپنی سیرت میں صالح آدمی ہیں،

ساجی نے "عبد صالح" کے لقب سے یاد کیا ہے، ابو الولید طیالسی نے کہا ہے کہ جو شخص بھی

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۱۳

ربیع کے بارے میں کلام کرتا ہے وہ اس سے بلند ہیں،[1]

امام ربیع بن صبیح کے متعلق ان معاصرین اور ائمہ کے اقوال ان کے زہد و اتقاء کے شاہد عدل ہیں، اور ان شہادتوں کے آئینہ میں ان کی مقدس زندگی کے خد و خال بخوبی نظر آجاتے ہیں،

بہادری، جہاد اور مرابطت

امام ربیع بن صبیح جیسا کہ کہا جاتا ہے، اپنے شیخ حضرت حسن بصری کی زندگی کا آئینہ تھے اور دوسرے اوصاف و کمالات کی طرح بہادری، اسلامی حمیت اور مجاہدہ و مرابطت میں بھی شہرت رکھتے تھے، آپ نے بصرہ کے قریب عبادان کو اپنی سرگرمی کا مرکز بنایا تھا، امام شافعی نے فرمایا ہے:

کان الربیع بن صبیح رجلاً غزاء[2]	ربیع بن صبیح زبردست غازی و مجاہد آدمی تھے

ابن شاہین نے تاریخ اسماء الثقات میں امام شعبہ کا قول نقل کیا ہے،

لقد بلغ الربیع بن صبیح	ربیع بن صبیح بہادری و جوانمردی میں ہمارے
فی عصرنا ھذا مالم یبلغہ	زمانہ میں اس مقام کو پہنچ گئے ہیں کہ احنف بن
الاحنف بن قیس[3]	قیس بھی وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

حضرت احنف بن قیس بڑے بہادر تابعی ہیں، ان کی قوم دربار رسالت میں حاضر ہوئی، مگر مسلمان نہ ہوئی، احنف اپنے وطن میں تھے، انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی ترغیب دی تو سب لوگ مسلمان ہوئے، احنف عہد فاروقی میں آئے اور بصرہ میں اپنے قبیلہ کے سردار بنکر رہے، جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور جنگ جمل میں کسی فریق کا ساتھ نہ دیا،

[1] ان اقوال کے لیے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷ و ۲۴۸ ملاحظہ ہو [2] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ ص ۴۶۵
[3] تاریخ اسماء الثقات قلمی باب الراء۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہندوستان کے ایک کتب خانہ میں یمن کے شاہی خاندان کے ایک عالم کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا، راقم حروف نے اسے نقل کر لیا ہے، اور حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے اس کا تحشیہ فرمایا ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب بہت جلد شائع ہوکر قدردانوں کی خدمت میں پہنچے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خراسان بھیجا تھا، ایک رات دشمن نے اسلامی فوج پر شب خون مارا تو اسلامی فوج کی طرف سے سب سے پہلے احنف ہی گھوڑے پر یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

ان علی کل رئیس حقا ان یخضب الصعدۃ او تندقا

ہر سردار کیلئے ضروری ہے کہ وہ جنگ میں آگے بڑھکر اپنے نیزہ کو دشمن کے خون سے سرخ کردے یا پھر لڑتے لڑتے نیزہ ہی ٹوٹ جائے

اور دشمن کی فوج پر حملہ کرکے طبل بردار کا کام تمام کردیا اور دشمن پسپا ہو گئے یہانتک کہ خلافت عثمانی میں مسلمانوں نے مرو الروذ کو فتح کرلیا[1]

ان کارناموں کے باعث حضرت قیس بن احنفؓ اسلام کے زمانہ میں بھی بہادری اور جواں مردی کیلئے ضرب المثل بن گئے تھے، امام شعبہ کے بیان کے مطابق حضرت ربیع بن صبیح کا شہرہ بہادری اور جوانمردی میں حضرت احنفؓ سے بھی بڑھا ہوا تھا، آپ بصرہ کے لوگوں سے چندہ وصول کرکے عبادان میں رضاکاروں کو لیکر اسلامی سرحدوں کی حفاظت و مرابطت کرتے تھے، بلاذری کا بیان ہے،

جمع مالا من اهل البصرة فحصن — ربیع نے اہل بصرہ سے رقم جمع کرکے عبادان کی
به عبادان ورابط فیها[2] — قلعہ بندی کی اور وہیں مرابطت اختیار کی۔

مرابطت اور رباط اسلام کی حربی سیاست میں ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے، اس کے ذریعہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے، اور دشمن کے حملوں سے باخبر رہا جاتا ہے اور اندرونی بدامنی کو فرو کیا جاتا ہے، جہاد کی طرح مرابطت کے بھی بڑے فضائل ہیں اور اسمیں بڑا اجر و ثواب ہے، اسی لیے مسلمان عباد و زہاد اور اہل اللہ یہ خدمت اپنے ذمہ لیا کرتے تھے، اور دور دراز مقامات پر جاکر ذکر الٰہی کیساتھ اسلامی سرحدوں کی نگرانی کرتے تھے، اور یہ کام خلافت کی طرف سے نہیں ہوتا تھا بلکہ مسلمان بطور خود یہ خدمت انجام دیتے تھے، بعد میں رباط اور مرابطت کا تصور بزرگوں کی خانقاہوں میں تبدیل ہوگیا، سنوسیوں کی رباطیں اور زاویے ایک حد تک اسی حقیقت پر مبنی تھے، مگر اب عام طور سے رباط کا لفظ خانقاہ کا ہم معنی ہوگیا ہے، بلکہ سراؤں اور مسافر خانوں پر بولا جانے لگا ہے۔ (باقی)

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۱۸۷، [2] فتوح البلدان ص ۳۶۲

یونانیوں کے پرانے استاد سامی تھے

از جناب محمد عثمان صاحب عمادی بی، ایس سی علیگ ڈپ ان ٹیڈ جامعہ عثمانیہ

(۱)

کجوری نے اپنی کتاب "تاریخ ریاضی" میں لکھا ہے:[1]

"یہ بات عربوں کے مقدر میں تھی کہ وہ یونانی علوم و فنون کے مشعل بردار اور محافظ رہیں، مغرب بزمانہ فساد و شورش اس شمع کو روشن رکھیں اور بالآخر اہل یورپ کو دے دیں ......

اس طرح علوم و فنون آریائی نسل سے سامی نسل میں منتقل ہوئے اور پھر ان سے آریوں کو بازگشت ہوئے"

اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ عربوں نے تمام علوم و فنون یونانیوں سے حاصل کیے جنکا تعلق آریائی نسل سے تھا، اور جس وقت وہ رخصت ہوئے تو پھر یہ علوم وہ یورپ والوں کو دے گئے جو آریائی نسل سے تھے۔

اس مضمون میں اس بیان کے پہلے حصہ کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

(۲)

قدیم یونانی مورخ ہیرودوتس چھٹی صدی قبل مسیح میں گزرا ہے۔ اس نے اس زمانہ کی آباد اور مہذب دنیا کے حالات ایک کتاب کی صورت میں جمع کردیے ہیں جو "تاریخ ہیرودوتس" کے نام سے مشہور ہے، اس میں اس نے خاص طور پر ایران، بابل، مصر اور یونان کے حالات و واقعات اور ان کے باہمی تعلقات نہایت شرح و بسط سے بیان کیے ہیں، جو آج بھی اہل بصیرت کے لیے باعث عبرت ہیں، کتاب نو حصوں میں ہے، اور بقول ایچ جی ولس اس تصنیف کا مقصد یہ تھا کہ یونان والوں کو ان کے اسلاف کے کارنامے یاد دلاکر ان کو جہانگیری اور جانبازی پر آمادہ کیا جائے

[1] کتاب مذکور ص ۹۹

مصنف کا یہ مقصد تقریباً دو سو سال بعد پورا ہوا جب اسکندر اعظم نے ہندوستان تک تمام ممالک فتح کر
اور یونان کا سکہ بابل اور ایران پر بیٹھا دیا، صاحب تصنیف کا پایہ اتنا ارفع و اعلیٰ ہے کہ یورپ والے ان کو
ابوالآبائے تاریخ (Father of History) مانتے اور مستند جانتے ہیں۔

ہیرودوتس اس کتاب کے پانچویں حصہ میں اپنی تحقیق یوں پیش کرتا ہے :۔

جفری اپنے بیان کے مطابق اریٹریا کے باشندے ہیں لیکن مجھے تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ
اُن فنیقیوں میں سے تھے۔ جو قادموس کے ساتھ اس خطہ میں وارد ہوئے جسے اب بیوٹیا کہتے ہیں۔ اور
اس ملک میں پہونچ کر وہ علاقہ تناگرا میں جا بسے جو ان کے حصہ میں آگیا۔ قادموس کے ہمراہی آتینہ میں
اقامت گزین ہوئے۔ اہل آتینہ نے اُن کو اپنے شہریوں میں شریک کر لیا۔ جو قادموس کے ساتھ آئے تھے
انھیں میں جفری بھی تھے۔ اور جب انھوں نے اس ملک میں بود و باش اختیار کر لی تو یونانیوں میں
بہت سے مفید علوم رائج کیے، خاص طور پر حروف تہجی جن سے میری رائے میں یونان والے پہلے
ناآشنا تھے۔ اولاً ان کا رسم الخط وہی تھا جو اہل فنیقیہ کا تھا، لیکن بعد کو مرور زمانہ کے ساتھ حروف
کی شکل کے ساتھ ساتھ ان کا تلفظ بھی بدل دیا۔ اس زمانہ میں آیونی یونانی اپنے قرب و جوار کے
ملک کے سب سے بڑے حصہ پر آباد تھے۔ فنیقیوں سے حروف تہجی سیکھ کے انھوں نے اس میں
کچھ تغیر کیا اور اس رسم الخط کو استعمال کیا اور جیسا کہ انصاف کا تقاضا تھا، اس رسم الخط کا نام
فنیقی (رسم الخط) رکھا اس لیے کہ فنیقیوں ہی نے اس کو یونان میں رائج کیا تھا۔[1]

اس تصریح سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ یونان میں فنیقیوں کے ورود سے پہلے حروف تہجی نہ تھے۔

۲۔ قادموس فنیقی کی سرکردگی میں فنیقیوں کا ایک قافلہ سرزمین یونان میں داخل ہوا اور کچھ مدت بعد

---

[1] (Herodotus : V, Ch. 57) 58

یہ لوگ آتینہ میں بس گئے۔

۳۔ آتینہ میں ان لوگوں نے یونانیوں کو بہت سے مفید علوم و فنون سکھائے۔ اور

۴۔ خاص طور پر اہل فنیقیہ نے یونانیوں کو حروف تہجی (یا رسم الخط) کا استعمال پہلی بار بتایا۔ اور اس طرح
لکھنا پڑھنا سکھایا کیونکہ وہ اس سے ناآشنا تھے۔ البتہ بعد میں یونانیوں نے اس رسم الخط میں خفیف سا
تغیر کر کے اسے اپنا بنا لیا۔

۵۔ اس قدیم زمانہ میں آیونی یونانی بھی ان حروف کو فنیقی حروف تہجی کہتے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ فنیقیوں کے ورود سے پہلے سرزمین یونان میں جہالت کی تاریکی چھائی
ہوئی تھی، لکھنا پڑھنا تو کجا، حروف تہجی تک اُن کے پاس نہ تھے، اہل فنیقیہ جب یونان میں داخل ہوئے
تو انھوں نے اپنی زبان کے حروف اور دیگر مفید علوم و فنون ان میں رائج کیے۔ اور ان کو پہلی مرتبہ لکھنا پڑھنا
سکھایا۔ اس طرح فنیقیوں کا داخلہ یونان میں بحیثیت معلم کے تھا نہ کہ متعلم کے۔

محققین یورپ کی توضیح سے پتہ چلتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں یونانیوں میں دائیں سے بائیں
جانب لکھنے کا رواج تھا، بہت بعد کو انھوں نے بائیں سے دائیں جانب لکھنا شروع کیا۔ رالنس
تاریخ ہیرودوتس کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ فطری طریقہ دائیں سے بائیں جانب ہی لکھنے کا ہے، آج بھی جب کہ
ہم (فرنگی ہیں) بائیں جانب سے دائیں جانب لکھنے کے خوگر ہیں۔ ڈرائنگ کے لیے جب کبھی برش ہاتھ میں
لیتے ہیں تو دائیں جانب سے بائیں جانب ہی چلاتے ہیں۔[1]

یہ بات تو تسلیم کی جا چکی ہے کہ یونانی حروف تہجی، عربی حروف تہجی سے باعتبار صورت بہت کچھ
مشابہ ہیں۔ عربی کا "الف" یونانی لہجہ میں "الفا" اور "بے" "بیٹا" ہو گیا، صدیاں گزر جانے کے بعد بھی
فنیقی اثرات اب بھی صاف نمایاں ہیں، انگریزی حروف تہجی کہ یونانی سے ماخوذ ہیں، عربی اثرات کے

---

[1] ہیرودوتس V Everymans Library Edition حاشیہ ۸ ص ۱۳۰،

بہت زیادہ حامل ہیں جیسا کہ ذیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

عربی	انگریزی
ا ب ج د (ابجد)	اے بی سی ڈی ABCD
ق ر ش ت (قرشت)	کیو آر ایس ٹی QRST
ک ل م ن (کلمن)	کے ایل ایم این KLMN

کیا اب بھی اس میں شبہ ہے کہ نہ صرف یونان بلکہ موجودہ یورپ کی ہر زبان عربون اور خصوصاً فنیقیوں کی زیر بار منت ہے؟

(۳)

امریکہ کے پروفیسر ہاگبن (Hogben) نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان میتھمیٹک فار دی ملین (Mathematics for The Million) یہ بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ اور پنڈت جواہر لعل نہرو بھی اپنی مایۂ ناز تصنیف ڈسکوری آف انڈیا (Discovery of India) میں اس کے جابجا حوالے دئے ہیں، پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ یونانی ریاضی کے دو قدیم ترین اور بڑے موجد طالیس اور فیثاغورث (Thales and Pythogras) تھے، اور یہ دونوں فنیقی نسل سے تھے[1]، اب آپ ہیرودوتس کے ان الفاظ پر غور کیجئے کہ "فنیقیوں نے یونانیوں میں بہت سے علوم رائج کیے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں کو ریاضی سکھانے والے فنیقی تھے، ذیل میں ہم طالیس اور فیثاغورث کے کارنامے مختصراً پیش کرتے ہیں۔ ہمارا بیان علم ریاضی تک محدود رہیگا۔

(۴)

طالیس فنیقی الاصل[2] اور ملیطوس کا رہنے والا تھا، ۶۴۰ سے ۵۴۶ ق م تک زندہ رہا

[1] Mathematics for The Million P. 116 [2] ہیرودوتس ج ۱ ب ۱۷۰

ہفت یگانۂ روزگار میں اس کا شمار تھا، آیونی مکتب کا بانی یہی تھا۔

۱۔ کسوف شمس ۵۸۵ ق م کا واقعہ ہے کہ لیدیا اور میدیا کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آراستہ ہیں، گھمسان کا رن پڑ رہا ہے کہ یک بیک تاریکی پھیلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور ذرا دیر میں بالکل اندھیرا چھا جاتا ہے، آسمان پر تارے نکل آتے ہیں، طرفین گھبرا کر جنگ سے باز آجاتے ہیں۔ اور ان میں صلح ہو جاتی ہے۔ طالیس نے اس سورج گہن کی پیشگوئی ایک سال پہلے ہی کر دی تھی[1]۔

۲۔ اہرام مصر کی بلندی طالیس کا سب سے بڑا کارنامہ اہرام مصر کی بلندی کی پیمائش ہے۔ فرعون مصر ریمسیس کی موجودگی میں اس نے اس کا مظاہرہ کیا، اہرام ایک اونچے چبوترہ پر بنا ہوا ہے۔
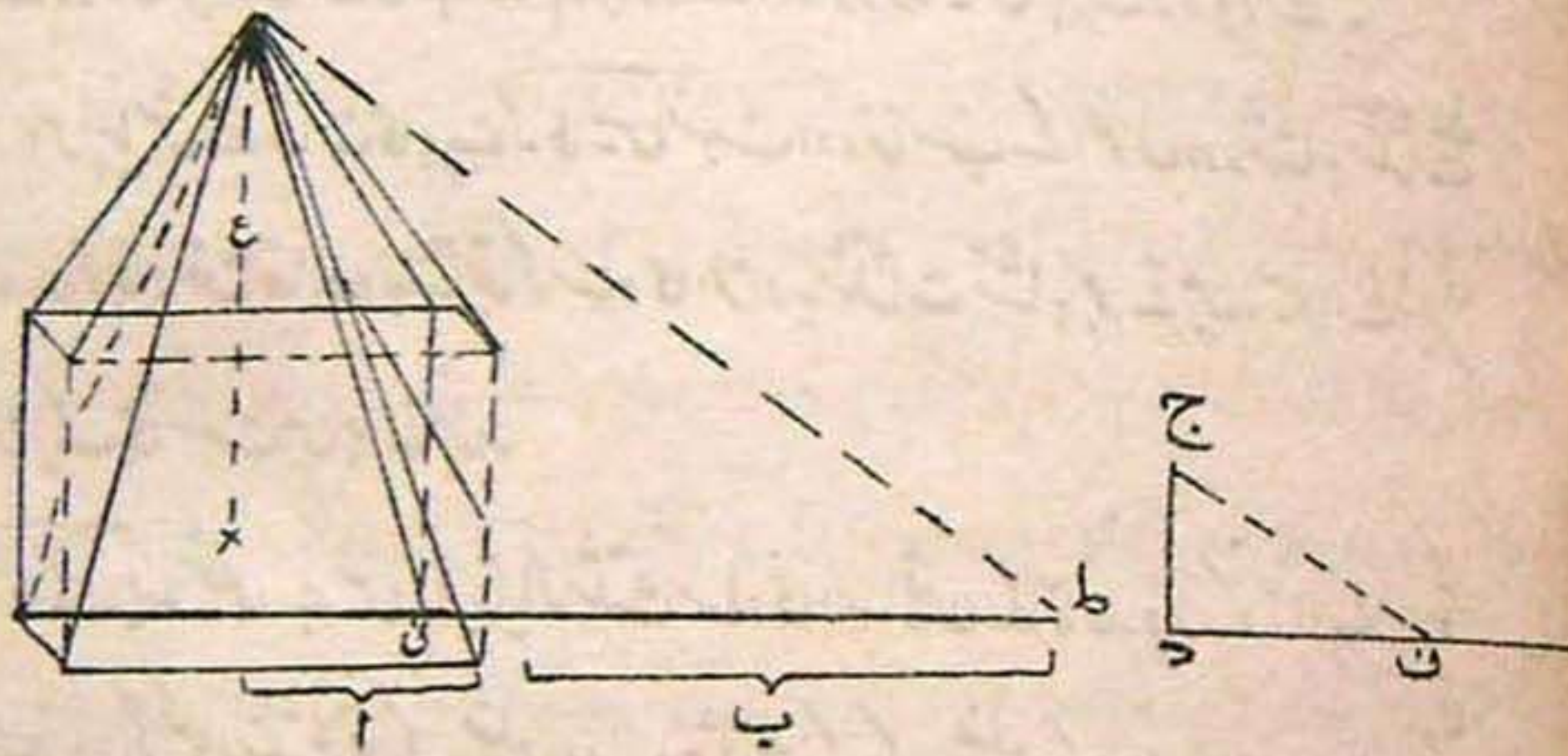
جس کا قاعدہ مربع ہے، فرض کرو کہ صبح کو کسی وقت اہرام کا سایہ ط تک پڑتا ہے، پورا سایہ نصف چبوترہ کے طول ا اور فاصلہ ب کے مجموعہ کے برابر ہے اور اہرام کی بلندی سطح زمین سے ع ہے، طالیس نے ا اور ب کا طول ناپ لیا اور اسی وقت جبکہ اہرام سایہ ط تک پڑا اس نے ایک چھڑی ج د جس کا طول معلوم تھا، زمین پر نصب کی اور اس کا سایہ د ف ناپ لیا، تناسب کے اصول سے اہرام کی بلندی (ع) کو اس کے سایہ (ا + ب) کے ساتھ وہی

[1] ہیرودوتس، ج ۱ ب ۷۴

نسبت ہے جو چھڑی ج د کو اس کے سایہ د ف سے ہے، یعنی: ع / (ا + ب) = ج د / د ف : لہذا

ع = (ج د / د ف) × (ا + ب)

ج د، د ف، ا اور ب کے طول معلوم تھے، اس لیے آسانی کے ساتھ اہرام کا ارتفاع معلوم ہوگیا،

اہرام مصر کی بلندی دریافت کرنے کا ایک اور طریقہ بھی اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے،

اُس نے ایک چھڑی (ج د) لی جس کا طول معلوم تھا اور اُس کو زمین پر نصب کیا، جس وقت چھڑی کا سایہ (د ف)، چھڑی کے طول (د ج) کے مساوی ہوا اسی وقت اس نے اہرام کا سایہ ا + ب ناپ لیا، یہ طول اہرام کے ارتفاع کے برابر ہوا، طالیس نے جس وقت اہرام کے ارتفاع کی پیمائش فرعون کے سامنے دونوں طریقوں سے کی ہے تو تمام دربار والے اور خود رعمیسیس حیرت زدہ رہ گئے۔

اس پیمائش سے صاف ظاہر ہے کہ طالیس نسبت اور تناسب کے اصول اور متشابہ مثلثات کے خواص سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مساوی الزاویہ مثلثات متشابہ ہوتے ہیں، یعنی انکے نظیری اضلاع ایک ہی نسبت میں ہوتے ہیں۔

طالیس پہلا شخص ہے جس نے بتایا کہ مثلث مساوی الساقین کے قاعدہ پر کے زاویے مساوی ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی مثلث کا ایک ضلع دوسرے مثلث کے ایک ضلع کے مساوی ہو اور ان مساوی ضلعوں کے سروں پر کے زاویے بھی مساوی ہوں تو یہ مثلثات آپس میں ہر طرح مساوی ہوتے ہیں،

طالیس ہی کے سر اس دریافت کا بھی سہرا ہے کہ قطر دائرہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور نصف دائرہ کے اندر کے تمام زاویے قائمہ ہوتے ہیں، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مثلث کے تینوں زاویے دو قائموں کے برابر ہوتے ہیں۔ غرض علم ہندسہ کا موجد طالیس ہی ہے جو فنیقی قوم کا ایک فرد فرید اور رکن رکین تھا، اس میں شک نہیں کہ ان حقائق میں سے کچھ مصریوں کو بھی معلوم تھے۔ لیکن ان کے معلومات بالکل سطحی تھے اور وہ ضابطوں کے اثبات اور اُن کے استدلال سے قاصر تھے۔ طالیس نے

ان باتوں کو علمی زبان میں پیش کیا اور ہر ایک کا ثبوت بھی دیا۔[1]

کسوف شمس کی پیشین گوئی اور اہرام مصر کی بلندی کی پیمائش سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ طالیس ہی پہلا شخص ہے جس نے علم ہندسہ کو فطرت کے قوانین کے مطالعہ اور روزمرہ زندگی میں پہلی بار استعمال کیا۔

۳۔ کہربا میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ اس کو رگڑنے سے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزوں کو اپنی طرف جذب کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے، اس دریافت کا سہرا بھی اسی کے سر ہے، اسکے یہ معنی ہیں کہ برق کی ایجاد بھی فنیقیوں نے ہی کی تھی۔

۴۔ طالیس نہ صرف زبردست ریاضی داں اور مہندس تھا۔ بلکہ وہ ایک بڑا سیاستداں اور مدبر بھی تھا، ملک میں جب کوئی سیاسی پیچیدگی پیدا ہوتی تو سب اسی سے رجوع کرتے، اسوقت یہ جو رائے دیتا نہایت صائب ہوتی اور دور اندیشی پر مبنی ہوتی۔[2]

۵۔ ہیرودوتس نے طالیس کی فراست اور ہندسی کمال کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے، لیدیا کے بادشاہ نے ایرانیوں پر فوج کشی کی، راستہ میں ایک بڑا دریا پڑا، جس کو عبور کرنے سے لشکر والے عاجز تھے، اس طالیس نے علم ہندسہ کا یہ کمال دکھایا کہ اپنے اہتمام سے لشکر کے اطراف ہلال کی شکل میں ایک گہری خندق کھدوائی، اس طرح پانی تقسیم ہوگیا اور دریا اتنا پایاب ہوگیا کہ ساری فوج پار اتر گئی،[3]

(۵)

فیثاغورث ۵۸۰ تا ۵۰۰ ق م | ساموس کا باشندہ تھا، طالیس کی زیارت سے مشرف ہوا، طالیس نے اسے مشورہ دیا کہ مصر میں جاکر علم سیکھے۔ وہ مصر میں کئی سال رہا، اور غالباً بابل بھی گیا تھا، وطن کی واپسی میں ناقدری ہوئی تو جنوبی اطالیہ کے شہر کروٹن (Croton) میں اقامت اختیار کرلی،

[1] کجوری: تاریخ ریاضی، ص ۱۶ [2] ہیرودوتس: ج ۱، ب ۱۷۰ [3] ایضاً: ج ۱ ب ۷۵

اور وہاں اپنا مشہور ادارہ قائم کیا، اس ادارہ میں نہ صرف فلسفہ، ریاضی اور سائنس کی تعلیم ہوتی تھی بلکہ یہ ایک طرح کی برادری تھی جس کے تمام ارکان زندگی بھر کے لیے آپس میں متحد ہوتے تھے، ان کو اس کی ممانعت تھی کہ اس مکتب کے اصول اور تحقیقات دوسروں کو بتائیں، اور یہ لوگ ہر تحقیقات کو ادارہ کے بانی فیثاغورث کی طرف منسوب کرتے تھے، اس ادارہ نے بڑی جلد ترقی کی اور بڑی سیاسی اہمیت حاصل کرلی، آخر اس ادارہ اور اس کے بانی کے متعلق ملک میں بدگمانیاں پیدا ہوگئیں، تمام عمارتیں تباہ کردی گئیں اور ادارہ بند ہوگیا، خود فیثاغورث طارنطوم بھاگا، وہاں بھی چین سے رہنے نہ پایا، اور شہر بہ شہر بھٹکتا پھرا، آخر لوگوں نے اسے قتل کردیا،

فیثاغورث نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی ہے، لیکن یقینی ہے کہ اس کے ادارہ میں ریاضی کی تعلیم پر خاص توجہ دیجاتی تھی، فیثاغورث ہی ہے جس نے ریاضی کو علمی حیثیت عطا کی، ہندسہ کے ساتھ حساب پر بھی بہت زور دیا جاتا تھا، یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس کے فلسفیانہ نظام کی بنیاد حساب ہی پر قائم تھی،

فیثاغورث ہی کی طرف یہ اہم مسئلہ منسوب کیا جاتا ہے کہ مثلث قائم الزاویہ میں وتر کا مربع باقی اضلاع کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے، اس مسئلہ کی صداقت خاص صورت میں جب کہ اضلاع ۳، ۴، ۵ کی نسبت میں ہوں، اس نے غالباً مصریوں سے سیکھی ہوگی، لیکن ہر مثلث قائم الزاویہ کے لیے اس حقیقت کو ثابت کرنا فیثاغورث ہی کا کام تھا، اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی یہ مسئلہ اسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس مسئلہ کے سلسلہ میں اس نے ایک ضابطہ دریافت کیا جس کی مدد سے ایسے صحیح اعداد معلوم کیے جاسکتے ہیں کہ ان میں دو کے مربعوں کا مجموعہ تیسرے عدد کے مربع کے برابر ہو، مثلاً:

ایک ضلع کے لیے کوئی طاق عدد (۲ن + ۱) لو، تب $\frac{(۲ن + ۱)^{۲} - ۱}{۲}$ = ۲ن^{۲} + ۲ن =

دوسرے ضلع کا طول، اور (۲ن^{۲} + ۲ن + ۱) وتر کے؛ اگر ہم ن = ۴ لیں، تو زاویہ قائمہ کو گھیرنے والے اضلاع میں سے ایک ضلع = ۲ن + ۱ = ۲ × ۴ + ۱ = ۹، اور دوسرا ضلع = ۲ن^{۲} + ۲ن = ۲ × ۴^{۲} + ۲ × ۴ = ۲ × ۱۶ + ۸ = ۴۰، اور وتر = (۲ن^{۲} + ۲ن + ۱) = ۲ × ۴ × ۴ + ۲ × ۴ + ۱ = ۴۱، لیکن یہ اصول صرف ان صورتوں کے لیے صحیح ہے جن میں وتر اور زاویہ قائمہ کو گھیرنے والے اضلاع میں سے کسی ایک ضلع کا فرق ایک ہو،

مثلث قائم الزاویہ کے مطالعہ میں بہت سی عجیب اور حیرت انگیز باتیں دیکھنے میں آئی ہوں گی، مثلاً قائم الزاویہ مساوی الساقین کا ایک ضلع معلوم ہو تو وتر دریافت کرنا، (کسی مثلث قائم الزاویہ میں زاویۂ قائمہ کے سامنے والے ضلع کو وتر (Hypotenuse) کہتے ہیں) لیکن ہر صورت میں، بلا کسی استثنا کے، وتر کے لیے کوئی صحیح عدد دریافت کرنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہوں گی، ایسے ہی کسی طریقہ سے غیر ناطق مقادیر کا نظریہ (Irratinal quantities) وجود میں آیا ہوگا، یودیموس (Eudemus) نے جو ارسطو کا شاگرد تھا، یونانی علم ہندسہ کی تاریخ مرتب کی تھی، جو ضائع ہوگئی، لیکن اس کے جستہ جستہ اقتباسات بعد کو مورخین نے دیے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ غیر ناطق مقادیر کی ایجاد اسی فیثاغورث کی رہین منت ہے، یقیناً اس خیال میں غیر معمولی جسارت پائی جاتی ہے کہ ایسے بھی خطوط مستقیم ہو سکتے ہیں جو ایک دوسرے سے نہ صرف طول یعنی کمیت میں مختلف ہوں، بلکہ اس کیفیت میں بھی جو بالکل حقیقی مگر مطلقاً غیر مرئی ہو،

فیثاغورث اور اس کے ساتھیوں نے اعداد کو جفت اور طاق، دو حصوں میں تقسیم کیا، جفت اعداد وہ ہیں جو ۲ پر پورے پورے تقسیم ہوتے ہیں، ہم ان کو ۲ن سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ طاق اعداد وہ ہیں جو ۲ پر پورے پورے تقسیم نہیں ہوتے، ہم ان کو ۲ن + ۱ سے

تعبیر کر سکتے ہیں، جہاں ن کی قیمت صفر، ۱، ۲، ۳ وغیرہ کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے بتایا کہ طاق اعداد
کا سلسلہ ۱ + ۳ + ۵ ۔۔۔۔۔ + (۲ن + ۱) تک ہمیشہ کامل مربع ہوتا ہے، اسی طرح جفت
اعداد کے سلسلہ کے مجموعہ سے دو ایسے اجزائے ضربی حاصل ہو سکتے ہیں جن کا فرق ایک ہو، مثلاً
سلسلہ ۲، ۴، ۶، ۸، ۱۰، ۱۲ وغیرہ پر غور کرو:

۱ × ۲ = ۲

۳ × ۲ = ۶ = ۴ + ۲

۴ × ۳ = ۱۲ = ۶ + ۴ + ۲

۵ × ۴ = ۲۰ = ۸ + ۶ + ۴ + ۲ وغیرہ[1]

(۶)

فینقی کون تھے؟

اس سوال کا جواب یورپ کے محققین کی زبانی سنیے:
پروفیسر رالنس نے "تاریخ فینقیہ" مرتب کی ہے، جو ۱۸۸۹ء میں لانگمنس گرین اینڈ کو لندن
سے چھپی ہے، کتاب کا افتتاح پروفیسر صاحب یوں فرماتے ہیں:

Phaenice' or Phaenicia was The name originally given by The Greeks and afterwards adopted from The by The Romans - To the coast region of The Mediterranean, where it faces The west betwee-n the 32. d and 36th parallels. Here it would seem, in There early voyagings, The , re-Homeric Greeks first came upon lands where The palm

[1] تام تفصیل کے لیے دیکھو کجوری Cajory: History of mathematics

Tree was not only indigenous, but formed a leading and striking characteristic, everywhere along The low sandy shore lifting its tuft of feathery lea-ves into The bright blue sky, high above The under growth of fig, and pomegranate, and olive. Hence They called The Tract Phaenicia, or 'land of palms, and people who inhabited it The Phaenicians or' The Plam-Tree people.

فینق یا فینقیہ کا نام ابتداً یونانیوں نے بحر روم کے اس ساحلی علاقہ کو دیا جو مغرب کی جانب
۳۲ اور ۳۶ متوازی خطوط کے درمیان واقع ہے، یہی نام بعد کو رومیوں نے بھی اختیار کر لیا،
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی قدیم زمانہ میں ہومر سے بھی پہلے کے یونانی یہاں اپنی جہاز رانی کے
سلسلے میں ایک ایسے خطۂ ارض پر وارد ہوئے جہاں کھجور کے درخت نہ صرف قدرتی طور پر اگے تھے
بلکہ پست ریتیلے ساحل پر ہر جگہ اس کی نمایاں خصوصیت تھی کہ اس کے بالدار پتوں کا گچھا انجیر، انار،
اور زیتون کے چھوٹے چھوٹے درختوں سے اونچا نظر آتا تھا، لہٰذا انھوں نے اس کا نام فینقیہ
یا کھجوروں کا ملک رکھ دیا، اور جو لوگ اس ملک میں رہتے تھے، ان کو فینقی یا اہل فینقیہ یعنی کھجور
کے درخت والے لوگ" کہنے لگے۔[1]

اس تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ فینقیہ یونانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی کھجور کے درختوں کا
ملک یا خطہ ہے، نہایت قدیم زمانہ میں جس کی تاریخ گمنامی میں پوشیدہ، یونان والے کشتیوں کے ذریعہ
یہاں پہنچے، یہاں ان کو ہر طرف کھجور کے بڑے بڑے درخت نظر آئے جس سے انھیں یہاں کے

[1] رالنس تاریخ فینقیہ ص ۱

لوگوں کی سربلندی کا اندازہ ہوا، اور انھیں اپنی زبان میں فنیقی یعنی "کھجور کے ملک والے لوگ" کہنے لگے بعد کو رومیوں میں بھی یہی نام رائج ہو گیا،

آگے چل کر پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ اہل فنیقیہ کا شمار سامیوں میں ہوتا ہے، جن میں اہل اشور اہل بابل، ارامی یا شامی، عرب اور (Moabites) اور عبرانی شامل ہیں، ان تمام قوموں کی امتیازی خصوصیت ایک مشترک زبان ہے جو کسی قدر اختلاف کے ساتھ سب ہی بولتے ہیں.[1]

اہل فنیقیہ کو عرب "عمالقہ" کہتے ہیں، ابتدائی زمانہ میں یہ لوگ خلیج فارس کے سواحل پر آباد تھے، وہاں سے ترک وطن کر کے شام کے ساحلی علاقہ کو اپنا مسکن بنایا، صور (Tyre) اور صیدہ (Sidon) ان کی دو مشہور بستیاں تھیں، جن کو تجارت سے بڑا فروغ حاصل ہوا تھا، بحر روم کے تمام جزائر ان کے قبضہ میں تھے اور یورپ اور افریقہ کے ساحلی علاقہ پر ہر جگہ ان کی نوآبادیاں تھیں جن میں سامی مشعلیں روشن ہوئیں، ہیرودوٹس نے اپنی تاریخ میں ان کی تجارت کا ایک دلچسپ طریقہ بیان کیا ہے، جس سے ان کی صداقت اور راستبازی کا پتہ چلتا ہے.[2]

---

[1] رالنس، تاریخ فنیقیہ ص ۹۳ [2] ہیرودوٹس نے اس کو یوں لکھا ہے کہ متذکرہ سواحل پر زمانۂ قدیم میں وحشی اور آدم خور قومیں آباد تھیں، فنیقیوں کے مال بردار جہاز سب یہاں لنگر انداز ہوتے تو وہ اپنے سامان تجارت کو ساحل سمندر کی چمکتی ریت پر سجا دیتے اور رات میں آگ کا الاؤ روشن کرتے جس سے وہاں کے باشندوں کو فنیقیوں کے آمد کی اطلاع ہو جاتی، صبح پو پھٹتے ہی فنیقی ساحل سے ہٹ کے اپنی کشتیوں میں سوار ہو جاتے اور منتظر رہتے۔ اب وہاں کے باشندے آتے اور فنیقی سامان تجارت کا ملاحظہ کرتے، جو مال انھیں پسند آتا اس کے قریب اپنے اندازہ کے مطابق، اس قیمت کا سونا چاندی رکھ دیتے (باقی حاشیہ ص ۱۴۹ پر)

(۷)

اب کجوری کے الفاظ پر غور کیجئے کہ عربوں نے یونانیوں سے جو آریائی نسل سے تھے، علوم و فنون حاصل کیے اور ان کی محافظت کی، سوال یہ ہے کہ یونانیوں کے پاس کون سے علوم تھے، جو عربوں نے ان سے حاصل کیے؟ یونانیوں کو جو کچھ حاصل ہوا وہ فنیقیوں کی بدولت ہوا، طالیس اور فیثاغورث اور ان کے شاگردوں نے یونانیوں کو ریاضی، ہیئت اور دوسرے علوم سکھائے اور یہ لوگ سامی تھے، جن کی ایک شاخ عرب ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ریاضی اور دیگر علوم میں عربوں نے یونان سے جو کچھ لیا وہ اصل اپنے ہی اسلاف کا ورثہ تھا، جو انھوں نے حاصل کیا، آریائی نسل کے پاس تھا کیا جو وہ لیتے

این گفت سحرگہ گل بلبل تو چہ میگوئی

کجوری کے بیان کے دوسرے حصہ پر کسی صحبت میں غور کیا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۸) اور واپس چلے جاتے، فنیقی پھر آتے، اگر معاملہ ان کو منظور ہوا تو پیش شدہ سونا چاندی لے لیتے اور سامان تجارت باشندوں کے لیے چھوڑ جاتے، ورنہ تمام سامان اور سونا چاندی اسی طرح رہنے دیتے اور ان باشندوں کو مکرر اضافہ قیمت اور پسند ناپسند کا موقع دیتے۔ ہیرودوٹس کتاب ۴، ب ۱۹۶

باب التقریظ والانتقاد

امام ابن تیمیہؒ

از جناب حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

یہ ۷۰۲ صفحے کی ایک ضخیم کتاب کا نام ہے جس میں مجدد ملت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ کے سوانح حیات اور ان کے علمی، عملی اور تجدیدی کارناموں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کتاب کے مؤلف مدراس کے مشہور عالم، متعدد علمی و تاریخی کتابوں کے مترجم و مرتب اور مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ عربی، فارسی اور اردو کے ریڈر افضل العلما محمد یوسف صاحب کوکن عمری ایم اے ہیں۔

جمہور امت نے جن بزرگوں کو مجددین اسلام کے برگزیدہ لقب سے یاد کیا ہو۔ ان میں ایک ممتاز نام تقی الدین ابو العباس امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے اور یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو کہ عہد تابعین اور تبع تابعین کے بعد امام ابن تیمیہ اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما سے زیادہ جامع کوئی دوسرا مجدد پیدا نہیں ہوا، اور نہ خواص اہل علم کو فکری و علمی حیثیت سے ان سے زیادہ کسی اور نے متاثر کیا، خاص طور پر ان کے ولولۂ جہاد سے تو صحابہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے مبتدعین اور اہواپرستوں کے ساتھ ہر زمانہ میں کچھ اہل حق علما بھی بعض غلط فہمیوں کی بنا پر ان دونوں بزرگوں اور خاص طور پر امام ابن تیمیہؒ کے بارے میں بدگمان رہے اور ان کے کارناموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی، گو ان کے زمانہ سے اب تک ہر دور میں اہل حق علماء کی ایک بڑی تعداد ایسی رہی ہے جو ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کا پورا سدباب نہ ہو سکا اور عوام ہی میں نہیں بلکہ خواص علما کے ایک گروہ میں بھی اب تک یہ اثر باقی ہے۔

ہندوستان میں آج سے ۵۰-۶۰ برس پہلے اخص الخواص اہل علم کے علاوہ عام اہل علم کا طبقہ بھی امام کے علمی کمالات اور تجدیدی کارناموں سے واقف نہیں تھا اور اگر کسی حد تک تھا تو اس پر شدید قسم کی غلط فہمیوں کے پردے پڑے ہوئے تھے، چنانچہ مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ جیسے وسیع النظر عالم نے اپنے فتاویٰ جلد دوم میں مجددین امت کی جو فہرست دی ہے، اس میں آٹھویں صدی کے مجددین میں زین الدین عراقی، شمس الدین جزری اور تاج الدین السبکی کے نام تو نظر آتے ہیں، لیکن امام ابن تیمیہ کا نام نظر نہیں آتا، شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر اور بارہویں صدی کے نصف اول کے ایک ممتاز اور معروف سندھی عالم مولانا محمد معین اپنی مشہور اور فاضلانہ کتاب دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب میں جن ناروا اور نا ملائم الفاظ سے امام کا تذکرہ کرتے ہیں ان کو پڑھ کر سخت تعجب ہوتا ہے، امام صاحب کے لیے ہلکے سے ہلکا لفظ ان کے نزدیک شقی الدین ہے۔

غالباً ایسی ہی شدید قسم کی غلط فہمیوں کی بنا پر انھوں نے ایک خط حضرت شاہ صاحب کو لکھ کر امام کے معتقدات کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی تھی، حضرت شاہ صاحب نے اس کے جواب میں پانچ چھ صفحے کا ایک طویل خط لکھا اور ان کی تمام غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی کوشش کی،[1] خط کے چند جملے یہاں نقل کیے جاتے ہیں، ممکن ہے ان لوگوں کے لیے جو اشعریت کے غلو اور تصوف پر ان کی تنقید کی وجہ سے امام کے لیے اپنے دل میں کوئی جگہ نہیں پاتے حضرت شاہ صاحب کی یہ تحریر کچھ مفید ثابت ہو، کیونکہ شاہ صاحب دونوں کوچوں کے واقف کار ہی نہیں بلکہ محرم راز بھی تھے۔

والذی اعتقدہ انا واحب ان — میں جس چیز کا خود قائل ہوں اور چاہتا ہوں
یعتقدہ جمیع المسلمین فی علماء — کہ دوسرے بھی اس کے قائل ہو جائیں وہ یہ ہے
الاسلام حملۃ الکتاب والسنۃ — کہ تمام علمائے اسلام جو کتاب و سنت اور

[1] شاہ صاحب کا مکتوب گرامی محبوب المطابع سے اردو ترجمہ کے ساتھ چھپ گیا ہے۔

والفقه الذابين عن عقيدة اهل السنة والحديث انهم عدول بتعديل النبي صلى الله عليه وسلم (يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله) وعلى هذا الاصل اعتقدنا في الشيخ الاجل محي الدين محمد بن علي بن العربي وفي الشيخ المجدد احمد بن عبد الاحد السهرندي انهما من صفوة عباد الله ولم نلتفت الى ما قيل فيهما فكذلك ابن تيمية فانا قد تحققنا من حاله انه عالم بكتاب الله ومعانيه اللغوية والشرعية وحافظ لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وآثار السلف عارف لمعانيها اللغوية والشرعية استاذ في النحو واللغة نائق في الذكاء ذو لسان بلاغة في الذب عن عقيدة اهل السنة لم يؤثر عنه فسق ولا بدعة

فقہ کے حامل اور اہل سنت کے عقیدے کے بارے میں (جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں) ان کی مدافعت کا کام کرتے رہے ہوں وہ سب اس حدیث نبوی کے مطابق قابل اعتبار اور عدول ہیں "علم دین کے حامل یکے بعد دیگرے عدول ہی ہوتے رہیں گے"، اسی نظریے کے مطابق ہم شیخ ابن عربی اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندوں میں تھے. اور ان کے بارے میں جو کچھ رد و کد کی جاتی ہے اس کی طرف میں بالکل ملتفت نہیں ہوتا. بالکل اسی طرح امام ابن تیمیہ کے بارے میں بھی یہی ہم تحقیق کے بعد اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ کے عالم اور اس کے لغوی اور شرعی معانی کے واقف کار، سنت نبوی اور آثار سلف کے حافظ اور اس کے لغوی اور شرعی معانی کے عارف. نحو و لغت کے امام تھے. ذکاوت میں ممتاز تھے اہل سنت کے عقیدے کی مدافعت میں تقریر و تحریر دونوں کے استعمال میں انتہائی بلیغ تھے،

اللهم الا هذه الامور التي ضيق عليه لاجلها وليس شيء منها الا ومعه دليله من الكتاب والسنة وآثار السلف فمثل هذا الشيخ عزيز الوجود في العالم من يطيق ان يلحق شأنه في تحريره وتقريره والذين ضيقوا عليه ما بلغوا معشار ما آتاه الله

ان سے نہ تو فسق کی کوئی بات منسوب کی گئی ہے اور نہ بدعت کی، خدا کی پناہ، لوگ ان کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے انکے درپے تنقیص ہیں، اور کوئی ایسی بات انھوں نے نہیں کہی جس کی دلیل کتاب، سنت اور آثار سلف سے نہ ہو، ایسے نادرۂ روزگار شخص کی تحریر و تقریر کے مرتبہ کو کون شخص پہنچ سکتا ہے اور جو لوگ ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں ان کے خداداد فضل و کمال کے عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔

اس خط میں انھوں نے استواء علی العرش، نزول باری، زیارت قبر نبوی، امام غائب جیسے مسائل میں جن کی بنا پر ابن تیمیہ کو ضال و مضل قرار دیا جاتا ہے، یا تو امام کی تائید کی ہے یا ان کے اصل مدعا کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے،

یہ حال تو خواص علماء کا تھا، عام اہل علم اور اردو داں طبقہ میں تو بہت سے لوگ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے ان کے نام سے بھی واقف نہیں تھے، اردو زبان میں غالباً سب سے پہلے علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۸ء میں الندوہ میں امام ابن تیمیہ پر ایک عالمانہ مضمون لکھکر انکے فضل و کمال کا تعارف کرایا، پھر کچھ دن بعد مولانا ابوالکلام اور مولانا مودودی نے اصحاب دعوت و عزیمت کے سلسلہ میں ان کے ذکر خیر کو مزید رفعت دی، اس کے بعد سے متعدد اصحاب نے ان پر مضامین اور کتابیں لکھیں، جن میں غلام رسول صاحب مہر اور غلام جیلانی صاحب برق کی کتابیں قدرے مفصل تھیں،

دار المصنفین کے پیش نظر ابتدا سے سیرۃ النبی، سیر الصحابہ، تاریخ اسلام، تابعین اور تبع تابعین کی تکمیل
کے ساتھ مشاہیر اسلام کے سلسلہ کی تکمیل بھی تھی، چنانچہ اسی کے پیش نظر سیرت عمر بن عبد العزیزؒ
شائع کی گئی اور ۳۹ء میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے
مولف کتاب کو جو اس وقت بحیثیت رفیق ادارہ میں کام کر رہے تھے، امام ابن تیمیہ کی مکمل سوانح
حیات لکھنے پر مامور کیا، موصوف نے کئی برس کی محنت اور دیدہ ریزی سے کتاب مرتب بھی کرلی لیکن
نظر ثانی اور پھر اشاعت سے پہلے بعض خانگی حالات کی بنا پر یہاں سے چلے گئے اور کتاب کا مسودہ
بھی اپنے ساتھ لیتے گئے اور پھر برسوں وہ اس پر نہ تو نظر ثانی کرسکے اور نہ بغیر نظر ثانی کیے ہوئے
مسودہ کو انھوں نے دار المصنفین کو دینا مناسب سمجھا، اسی اثنا میں مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی
نے تاریخ دعوت وعزیمت کا سلسلہ شروع کیا جس کی دوسری جلد امام ابن تیمیہ اور ان کے
تلامذہ اور عہد سے متعلق ہے، یہ کتاب گو دار المصنفین سے باہر لکھی گئی مگر اس کی اشاعت کی سعادت
دار المصنفین کو حاصل ہوئی، اس کی اشاعت کے دو برس بعد اب دار المصنفین میں ۱۸ برس پہلے
لکھی ہوئی کتاب مدراس سے چھپ کر ہمارے ہاتھوں میں آئی ہے، کتاب کی طباعت کا صرفہ مدراس
کے دو مخیر تاجروں نے برداشت کیا ہے۔

کتاب میں امام ابن تیمیہ کے حالات وسوانح اور ان کے علمی وتجدیدی کارناموں کے ہر
ہر گوشہ پر بڑی تحقیق وتفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، یوں تو کتاب کے ہر ہر باب سے مولف کی محنت
وتحقیق کا ثبوت ملتا ہے لیکن خاص طور پر انھوں نے ان کے وطن حران اور اسرۃ ابن تیمیہ کے بارہ میں
جو معلومات فراہم کردی ہیں، وہ کسی متداول کتاب میں یکجا نہیں ملتیں، اس خانوادہ میں امام کے
دادا مجد الدین عبد السلام صاحب المنتقی کا جو اپنے فضل وکمال اور قوت حافظہ میں یادگار سلف
تھے، تذکرہ اور ان کی تصانیف کا تعارف بڑی عمدگی سے کرایا گیا ہے، النصیحۃ الذہبیۃ لابن تیمیہ

رد شرک وبدعت، فتنۂ عقائد اور صوفیہ پر تنقید کے سلسلہ کی تمام تفصیلات انتہائی وقیع
اور قابل قدر ہیں،

امام نے اپنی تصانیف میں بعض فرقوں کے عقائد اور بعض مسائل کی تردید میں جو زور صرف
کیا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس دور میں لگانا مشکل ہے کیونکہ اب ہم کو ان سے کوئی واسطہ
نہیں ہے، لیکن کتاب کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان فرقوں اور ان مسائل کی فتنہ سامانیاں
موجودہ دور کے مادی فتنوں سے کسی طرح کم نہیں تھیں،

اشعریت، تصوف اور فقہ کے جن مسائل کی بنا پر امام ابن تیمیہ کی ذات مورد الزام ٹھہرائی
گئی اور ان کو قید وبند کی مصیبت جھیلنی پڑی اور جو آج بھی بعض دینی حلقوں میں ان کی شخصیت
اور ان کے فضل وکمال کو سمجھنے میں حجاب بنے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک ایک مسئلہ کو مولف نے
واضح کرنے اور ان پر جن حیثیتوں سے اعتراض کیا جاتا ہے، ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے
اور اس میں ان کو بڑی حد تک کامیابی ہوئی ہے، غرض امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اور
فضل وکمال کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کا ذکر کتاب میں نہ کیا گیا ہو، امید ہے کہ یہ کتاب عوام
وخواص دونوں میں مقبول ہوگی اور امام کے مرتبۂ فضل وکمال اور تجدیدی رفعت کے سمجھنے کے لیے
ایک اچھے ماخذ کا کام دے گی، البتہ اس سلسلہ میں مولف کی توجہ چند باتوں کی طرف مبذول کرانا
ضروری معلوم ہوتا ہے،

کتاب میں امام صاحب کے شاگرد رشید امام ابن قیم کے حالات اور علمی کارناموں کی اس سے
زیادہ تفصیل کرنے کی ضرورت تھی، ابن قیم نے محض استاذ کے علمی اور فقہی خیالات کی مزید توضیح
اور تہذیب ہی نہیں کی ہے، بلکہ ان کے بعض علمی کارنامے اپنی افادیت کے لحاظ سے بڑھے ہوئے ہیں،
اسی طرح امام کے ذاتی اوصاف اور اخلاق وعادات کے باب میں پڑھنے والے کو تشنگی

محسوس ہوتی ہے، مؤلف کو مدارج السالکین کا محض تذکرہ کرکے آگے نہیں بڑھ جانا چاہئے تھا، بلکہ ان کے زہد و اتقا، ذوق عبادت اور فکر آخرت کے واقعات و کیفیات کو ذرا زیادہ تفصیل سے لکھنا چاہیے تھا، اس کی تفصیل کی اس لیے بھی ضرورت تھی کہ اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ان ہی اوصاف کی کمی ہے نیز اس کی تفصیل سے غلط فہمی کے بہت سے پردے بھی چاک ہو جاتے، ان کے فقہی اجتہادات و استدلالات کے سلسلہ میں غالباً مؤلف نے ان کے رسالہ القیاس فی الشرع سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا، اس رسالہ میں اجتہاد اور قیاس کے موضوع پر بہترین بحث ہے، رد شیعیت کے ضمن میں باطنیت پر بھی مولف کو بحث کرنی چاہیے تھی گو صلاح الدین ایوبی نے اس کا زور توڑ دیا تھا، مگر اس کے اثرات امام کے زمانہ میں بھی باقی تھے، انھوں نے متعدد مواقع پر ان کے خیالات کی تردید کی ہے امام نے علوم عقلیہ اور اہل عقل کے طرز استدلال پر تنقید ہی نہیں کی ہے بلکہ قرآن کے طرز استدلال پر بڑی مفصل بحث بھی کی ہے، اس لیے اس باب میں ان کے قرآنی طرز استدلال پر بھی تفصیل سے بحث ہونی چاہیے تھی، اور اس کے لیے صرف کتاب الرد علی المنتقین کا مطالعہ کافی ہے، معاصرین کا جہاں ذکر ہے وہاں اگر بعد کے مخصوص اہل حق علماء کی رایوں کا ذکر بھی کر دیا جاتا تو یہ باب زیادہ مکمل ہو جاتا، خاص طور پر شاہ ولی اللہ کا ذکر تو اس میں ضرور ہی ہونا چاہیے تھا، ان خفیف فروگذاشتوں کے باوجود انشاء اللہ یہ محققانہ کتاب اردو داں طبقہ میں پسند کی جائے گی اور مقبول ہو گی پتہ: مولانا محمد یوسف کوکن، ریڈر عربی و فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی، مدراس

مقالات شبلی (حصہ پنجم)

یہ مولانا شبلی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات کے متعلق ہیں اس میں علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد اور زیب النساء کی سوانحعمری وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہیں

۱۳۶ صفحے قیمت ۲ر (طبع سوم)

منیجر

مطبوعات جدیدہ

سیاست شرعیہ - از علامہ عبد الوہاب خلاف مترجمہ مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی، متوسط تقطیع، کاغذ بہتر صفحات، ۵۶، مجلد مع گرد پوش، قیمت عہ پتہ: ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور، پاکستان۔

شرعی نظام و سیاست پر عربی اور اردو میں بھی کئی کتابیں موجود ہیں، یہ نئی کتاب مصر کے مشہور مصنف علامہ عبد الوہاب خلاف مفتش محاکم شرعیہ کی تصنیف "السیاسۃ الشرعیۃ" کا اردو ترجمہ ہے، لائق مترجم کا نام ترجمہ کی سلاست و شگفتگی کی پوری ضمانت ہے، انھوں نے اصل کتاب کے مباحث میں ڈاکٹر حسن ابراہیم مصری کی تالیف "النظم الاسلامیہ" سے اضافہ بھی کیا ہے، مگر اس کی تصریح نہیں کی ہے کہ یہ اضافے کتاب میں کہاں کہاں ہیں، مصنف ایک وسیع النظر اور متوازن صاحب علم ہیں، اس لیے انھوں نے بڑی خوبی اور جامعیت کے ساتھ یہ کتاب پندرہ ۱۵ ابواب میں مرتب کی ہے جن میں اسلامی سیاست کے مختلف پہلوؤں آئین و دستور، اقتدار و اختیار، خارجہ پالیسی، مالیاتی نظام، آمدنی کے وسائل و ذرائع اور اسکے مصارف، جنگ، صلح و امن کی حالتوں کے احکام، مسلموں اور غیر مسلموں کے متعلق ہدایات وغیرہ پر نہایت مفید اور فاضلانہ بحثیں ہیں، پہلے باب میں لائق مصنف نے اجتہاد کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ دوسرے مذاہب اور اسلام کے درمیان بنیادی اور اصلی فرق یہی ہے کہ ان میں تحقیق و اجتہاد کا دروازہ بند اور اسلام سراسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے، دوسرے باب میں اسلام سے پیشتر اور اس کے بعد عربوں کے نظام حکمرانی کا ذکر کیا گیا ہے اور جابجا اسلامی عدل و مساوات کی وضاحت کی گئی ہے، ایک باب میں

قوم کے حقوق یعنی حریت ذات، حریت مسکن، حریت ملکیت اور غیر مسلموں کے آزادیٔ فکر وعقیدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان مسائل کی وضاحت کے لیے قرآن مجید، احادیث، فقہاء اور علماء کے اقوال سے مثالیں بھی پیش کی ہیں، لائق مترجم نے کتاب کے آخر میں علامہ ماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" کی چند فصلوں کا ترجمہ بھی کردیا ہے جس سے اسکی افادیت میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ کتاب علمی اعتبار سے بلند پایہ اور اسلام کی انسانیت نواز کی دنیا کے لیے رحمت اور امن وسکون کا گہوارہ اور دوسرے نظامہائے حیات کے مقابلہ میں برتر ہونے کا ثبوت ہے لیکن کتابت وطباعت کی غلطیاں بکثرت ہیں۔

تفسیر بسم اللہ وسورۂ فاتحہ ۔ از مولانا حمید الدین فراہی مترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، تقطیع خورد، کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۸۰، قیمت ۳۸ نئے پیسے۔ ناشر: دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڈھ (یو پی)

اس رسالہ میں مصنف علامؒ نے بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر کی ہے، بسم اللہ کی تفسیر میں فاتحہ سے اس کے تعلق کی نوعیت اور اللہ کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے، فاتحہ کی تفسیر میں دو فصلیں ہیں، پہلی میں سورہ کے تین رخ یعنی اس کے قرآنی علوم سہ گانہ کی جامعیت، نظم قرآن کا نمونہ اور نماز کے اولین دینی احکام میں ہونے کا ذکر اور دوسری فصل میں نصاریٰ کی فاتحہ اور ہماری (مسلمانوں کی) فاتحہ کا مقابلہ کیا گیا ہے، یہ رسالہ گو مختصر ہے لیکن مصنفؒ کی جملہ تفسیری خصوصیات کا جامع اور ترجمہ سلیس وشگفتہ ہے۔

جدید فارسی شاعری ۔ از جناب ڈاکٹر منیب الرحمن صاحب ریڈر شعبۂ علوم اسلامیہ، متوسط تقطیع، کاغذ عمدہ خوبصورت ٹائپ، صفحات ۱۳۲، قیمت عہ۔ پتہ: ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

جدید فارسی شاعری کے مضامین، خیالات، اسلوب اور طرز ادا وغیرہ میں قدیم شاعری کے مقابلہ میں بڑی تبدیلیاں ہوگئی ہیں، اردو میں اس موضوع پر مضامین تو متعدد نکل چکے ہیں لیکن غالباً کوئی مستقل کتاب نہیں تھی اس لیے ڈاکٹر منیب الرحمن صاحب نے جدید فارسی شاعری پر یہ کتاب لکھی ہے، اور اس میں موجود شعراء کے کلام، انکی خصوصیات، اسلوب اور طرز بیان کی روشنی میں جدید شاعری کا جائزہ لیا ہے، جس سے اسکے رنگ و آہنگ کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے، اس کی تالیف سے اردو ادب میں ایک مفید کتاب کا اضافہ ہوا، جن لوگوں کو جدید فارسی شاعری کا ذوق ہو، ان کے مطالعہ کے لائق ہے۔

میری غزلیں ۔ از جناب علی جواد صاحب زیدی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۱۱۲ مجلد مع رنگین گردپوش، قیمت عہ، پتہ: ڈاکٹر علی سجاد زیدی، ڈاکخانہ کربان، ضلع اعظم گڈھ۔

جناب سید علی جواد زیدی ایک کہنہ مشق صاحب قلم اور خوش مذاق شاعر ہیں، شعر وادب کی نزاکتوں پر انکی پوری نظر ہے، یہ بھی ان کی خوش مذاقی ہے کہ شاعرانہ صلاحیتوں کے باوجود انھوں نے شاعری کو مستقل مشغلہ نہیں بنایا اور ایک مرتبہ جیسا کہ ان کا بیان ہے، انھوں نے اپنی غزلوں کا ایک مجموعہ جو کئی سال کی محنت کا ثمرہ تھا، نذر آتش کردیا، ان کو نظم سے زیادہ مناسبت ہے، چنانچہ انکی نظموں کا ایک مجموعہ "رگ سنگ" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہوچکا ہے لیکن تغزل کی چاٹ ایسی ہے کہ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی، اس لیے کبھی کبھی غزل بھی کہتے ہیں، ادھر چند سال کے عرصہ میں انھوں نے جو غزلیں کہی ہیں "میری غزلیں" ان کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ مصنف کا شمار ترقی پسند ادیبوں میں ہے لیکن اب غزل کا میدان بہت وسیع ہوگیا ہے، اور ترقی پسندی کے باوجود انکا ادبی ذوق بڑا رچا ہوا ہے، اور وہ تغزل کے پورے مزاج شناس ہیں، اسلیے انکی غزلوں میں جدید وقدیم طرز کی بڑی دلکش آمیزش ہے، خیالات میں جدید تغزل کی لطافت وپاکیزگی، بلندی وگہرائی، کہیں کہیں خوشگوار رنگینی اور ادبی وفنی حیثیت سے قدیم کلام کی صحت وپختگی ہے، اس حیثیت سے یہ مجموعہ شراب دوآتشہ ہے جس سے ہر طرح کے اصحاب مذاق لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ ۔ از مولوی سید حامد علی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۱۱۶، قیمت ۹۰ نئے پیسے، پتہ: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، رامپور (یو پی)

گذشتہ سال ہولی کے موقع پر ملک کے بعض حصوں میں جو ہولناک فسادات ہوئے اور ان میں مسلمانوں کے خلاف

یکطرفہ کارروائی کی گئی، اس سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی کے ایک سنجیدہ اہل قلم نے یہ پمفلٹ لکھا ہے، اس میں اصل مسئلہ کا جائزہ لیا ہے اور اکثریتی فرقہ، حکومت، غیر مسلم اقلیتوں اور مسلمانوں کو صورت حال کی نزاکت کا احساس اور اس سلسلہ میں ان کے اصل فرائض یاد دلائے گئے ہیں، اور فرقہ وارانہ فسادات کے تدارک کی تدبیریں بتلائی گئی ہیں، اور بعض مفید مشورے بھی دیے گئے ہیں، گو اس کے بعض پہلوؤں سے ہر طبقۂ خیال کے مسلمان متفق نہیں ہو سکتے، تاہم یہ رسالہ مفید ہے اور اس لائق ہے کہ اس کو ہندی میں بھی شائع کیا جائے۔

اسلامی کتبخانوں کی سیر از جناب حاجی محمد زبیر صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۸۸، قیمت عمر

پتہ: محمد عزیز فرحت منزل، بدرباغ، علی گڑھ (۲) محمد حسین زبیری نشیمن C/1 ـ 10/2 ناظم آباد، کراچی۔

اردو میں کتب خانوں کے موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے، مصنف کو اس کا خاص ذوق اور عملی تجربہ ہے انھوں نے اس مختصر رسالہ میں قرون وسطیٰ کے اسلامی کتبخانوں کے قیام و نظام اور بلاد اسلامیہ کے متعدد کتبخانوں کا مختصر تذکرہ کیا ہے، یہ رسالہ اگرچہ مختصر لیکن بہت مفید اور بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کا مصداق ہے، فن لائبریری کے طلبا کے علاوہ عام علمی مذاق رکھنے والوں کے مطالعہ کے بھی قابل ہے۔

مولانا عبد السلام ندوی کی یاد میں ـ مرتبہ جناب کبیر احمد صاحب جائسی، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۸۲، قیمت ۸ر، پتہ: شبلی نیشنل کالج میگزین، اعظم گڈھ۔

شبلی نیشنل کالج میگزین نے مولانا عبد السلام ندوی مرحوم کی یادگار میں یہ خاص نمبر نکالا ہے، جسے مولانا کے عقیدتمند اور شبلی کالج کے ایک ہونہار طالب علم کبیر احمد جائسی نے بڑے سلیقہ سے مرتب کیا ہے، اس نمبر میں لکھنے والے بیشتر وہی لوگ ہیں جن کو مولانا سے پوری واقفیت اور ان سے گہرا تعلق رہا ہے، شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اڈیٹر معارف کا مقالہ سب میں جامع اور بہتر ہے، سید صباح الدین صاحب کا مضمون مولانا کی دلچسپ زندگی ہی کی طرح دلچسپ ہے، لائق مرتب کا مضمون بھی بہتر ہے، البتہ علی حماد صاحب عباسی کے مضمون میں کچھ بے اعتدالی پائی جاتی ہے، مگر وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے، مجموعی حیثیت سے یہ نمبر اچھا اور مولانا مرحوم کی شخصیت اور کمالات کا مرقع ہے۔

"ض"

جلد ۸۵ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۶۰ء نمبر ۳

فہرست مضامین